

باب سوم اسوہ رسول اکرم ﷺ سوال: نبی اکرم ﷺ پر بطور رحمة للعلمین مفصل نوٹ لکھیں۔

معنی و مفہوم:

رحمت کے معنی نرمی، شفقت آمیز برتاؤ، لطف و کرم کا معاملہ، خبر گیری، خبر خواہی اور ہمدردی کے ہیں، جبکہ ”عالمین“ عالم کی جمع ہے، جس کے معنی جہان کے ہیں۔ لہذا ”رحمتہ للعلمین“ کے معنی ہوئے تمام جہانوں کے لئے رحمت یعنی محمد ﷺ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہی رحمت ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔
وما ارسلناک الا رحمة للعلمین (ترجمہ) اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

1- امت پر رحمت:

☆ آپ ﷺ کی امت مسلمہ پر رحمت بے مثل تھی قرآن مجید کا اعلان ہے۔
(لقد جاءکم رسول من انفسکم) تمہارے پاس ایک رسول آگیا ہے جو تم میں سے ہی ہے۔ (عزیز علیہ ماعنتم) تمہارا رنج میں پڑنا اس پر بہت گراں گزرتا ہے۔ (حویص علیکم) وہ تمہاری (بھلائی اور فائدے کا) بڑا خواہش مند ہے۔ (بالمومنین رثوف رحیم) وہ مومنوں پر شفقت رکھنے والا اور رحمت کرنیوالا ہے ☆ حضور ﷺ مقروض اصحاب کا قرضہ اپنے پاس سے ادا فرماتے۔
☆ بچوں کے رونے کی آواز سن کر اور بوڑھوں اور بیماروں کی موجودگی کا احساس کرتے ہوئے نماز و خطبہ مختصر فرما دیتے۔
☆ بقول حضرت عائشہؓ اپنے پسندیدہ عمل کو بھی اس لئے ترک فرما دیتے کہ ہمیں وہ عمل امت پر فرض کی حیثیت سے عائد نہ ہو جائے مثلاً نماز و تراویح صرف تین دن مسجد میں ادا فرمائی (بخاری) پھر یہ خیال مانع ہوا کہ ہمیں یہ عبادت امت پر فرض نہ کر دی جائے۔
☆ اسی طرح حضور ﷺ نے عمر بھر امت کو عبادات و معاملات میں دشواری سے بچانے کے لئے فکر کی مثلاً مسواک کے بارے میں فرمایا ”اگر امت کو دشواری نہ ہوتی تو میں انہیں ہر نماز سے پہلے مسواک کرنے کا حکم دیتا“ (صحیح بخاری)

☆ اسی طرح حضور ﷺ کی دعا کی برکت سے امت پر اجتماعی عذاب نازل نہ ہوگا اور دشمن ایسے مسلط نہ ہوگا کہ پوری امت کو ہلاک کر دے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”میں نے امت کے بارے میں اللہ سے تین دعائیں کیں۔ دو قبول ہو گئیں اور ایک قبول نہ ہوئی۔ قبول ہونے والی دو دعائیں یہ ہیں کہ اے اللہ میری امت پر کوئی اس طرح کا قحط (عذاب) نہ بھیجنا، جو ان کو مکمل طور پر ہلاک کر دے اور دوسری دعا یہ تھی کسی باہر کے ایسے دشمن کو ان پر مسلط نہ کرنا جو ان کو پوری طرح ہلاک کر دے۔“
☆ روز قیامت بھی آپ ﷺ کو اپنی امت کی فکر ہی دامن گیر ہوگی اور آپ ﷺ اس ہولناک دن میں بھی ”اُمّتی اُمّتی“ کی صدا لگا رہے ہوں گے۔

2- کفار و مشرکین پر رحمت:

☆ گزشتہ امتیں اپنی نافرمانی اور گناہوں کے سبب مختلف عذابوں میں مبتلا ہوئیں کسی قوم کی صورت مسخ کر دی گئی، کسی پر طوفان کا عذاب آیا اور کسی کی بستی کو الٹ دیا گیا، لیکن حضور ﷺ کے وجود کی برکت سے کفار مکہ باوجود اپنی سرکشی کے دنیا کے عذاب عظیم سے محفوظ رہے۔ ارشاد باری ہے۔

وما کان اللہ ليعذبہم وانت فیہم (ترجمہ) اور اللہ ہرگز عذاب نازل نہیں کرے گا جب تک آپ ﷺ ان میں موجود ہیں۔

☆ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ ﷺ مشرکین کے لئے بد دعا کریں، آپ نے فرمایا ”میں لعنت کرنے والا نہیں میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں“
☆ اہل طائف کے ظلم و ستم پر فرشتے نے آکر عذاب لانے کی پیشکش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ”میں تو رحمت بن کر آیا ہوں، مجھے امید ہے کہ ان کی نسلوں میں سے میرا کلمہ پڑھنے والے پیدا ہوں گے۔“

☆ غزوہ احد میں آپ ﷺ کے نچلے جڑے کا دائیں جانب والا رباعی دانت شہید ہو گیا اور سخت تکلیف پہنچی مگر پھر بھی آپ ﷺ نے کفار مکہ کے لئے ہدایت کی اور فرمایا وہ لوگ (میرا مرتبہ) نہیں جانتے۔

☆ قریش مکہ پر قحط سالی کا عذاب نازل ہوا انہوں نے خدمت میں حاضر ہو کر دعا کی درخواست کی آپ ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمادی جس کی

قبولیت سے اللہ تعالیٰ نے ان پر بارش بر سادی اور ان کی قحط سالی ختم ہوگئی۔

3۔ منافقین پر رحمت:

☆ آپؐ نے منافقین کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود مسلمانوں سے الگ نہیں کیا۔

☆ انہیں مالی نفع مثلاً کاروبار کے مواقع اور مال غنیمت میں حصہ وغیرہ بھی لینے دیا۔

☆ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ خود پڑھائی، اپنا لباس اسے بطور کفن پہنایا کہ شاید بخشش ہو جائے مگر اللہ تعالیٰ کے منع فرمانے پر دوبارہ کسی منافق کے جنازے میں شریک نہ ہوئے۔

☆ آپ ﷺ کی دعوت و دعا کی برکت سے بعض منافقین کو اسلام کی دولت بھی نصیب ہوئی۔

4۔ عورتوں پر شفقت:

☆ اسلام سے قبل عورتوں کی کوئی عزت نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے انہیں حقوق عطا کئے اور ان کے حقوق و فرائض کا تعین کیا اور انہیں ماں، بیٹی، بیوی اور بہن، خالہ ہر حیثیت سے عزت عطا کی۔

☆ ماں کی عظمت کے بارے میں فرمایا الجنة تحت اقدام الامهات (الحديث) جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔

☆ بیوی کے بارے میں فرمایا: خیر کم خیر کم لاہلہ انا خیر کم لاہلہ (الحديث) تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہے۔

☆ بیٹی اور بہن کے بارے میں فرمایا: جس نے ایک بیٹی کی بھی صحیح طور پر پرورش اور شادی و بیاہ کا فریضہ سرانجام دیا تو میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

☆ بعض روایات یہ فضیلت بہن کے بارے میں بھی بیان فرمائی گئی ہے۔

5۔ یتیموں کا دالی:

☆ یتیموں کے لئے آپ ﷺ کی ذات گرامی سراپا رحمت تھی آپ ﷺ نے یتیموں کی نگہداشت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی ملا کر فرمایا: انا و کافل الیتیم فی الجنة هكذا (بخاری و مسلم) میں اور یتیم کی نگہداشت کرنے والا بہشت میں یوں ساتھ ساتھ ہوں گے۔

☆ اسی طرح حضرت اسماء بنت عمیسؓ (زوجہ حضرت جعفر طیارؓ) فرماتی ہیں کہ جس دن حضرت جعفرؓ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے، آپ ﷺ تشریف لائے اور ان کے بچوں کو سینے سے لگا کر رو پڑے۔

☆ آپ ﷺ نے فرمایا: گھروں میں سے سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ حسن سلوک ہوتا ہے اور گھروں میں سے سب سے برا گھر وہ ہے جہاں یتیم کے ساتھ بدسلوکی ہوتی ہے۔

6۔ غلاموں کا مولیٰ:

☆ آپ ﷺ نے غلاموں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کا اپنے قول و فعل سے خاتمہ کیا۔

☆ فرمایا: ”غلاموں کے ساتھ شفقت، و مہربانی کا سلوک کرو، تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارا ماتحت بنایا، تم جو کھاؤ ویسا ہی انہیں بھی کھاؤ، اور جو خود پہنوں ویسا ہی انہیں بھی پہناؤ اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر کام کا بوجھ نہ ڈالو۔“

☆ زندگی بھر غلاموں کے آزاد کرنے کی ترغیب دی۔

☆ اسی طرح خطبہ حجتہ الوداع میں اور دنیا سے رخصت ہونے سے کچھ پہلے بھی غلاموں اور باندیوں سے حسن سلوک کرنے کا حکم دیا۔

☆ غلاموں پر شفقت کی اس سے بڑھ کر مثال کیا ہوگی کہ اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کا نکاح اپنے ایک آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ سے کیا اور ساری زندگی زیدؓ کو اپنی سگی اولاد کی طرح محبت و شفقت دی جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے حقیقی ماں باپ کے پاس بھی جانا پسند نہ کیا۔

☆ ایک مرتبہ حضرت ابو مسعودؓ اپنے غلام پر سختی فرما رہے تھے تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا ”اللہ کو تم پر اس سے زیادہ طاقت حاصل ہے جس قدر تمہیں اس غلام پر اختیار ہے“ حضرت ابو مسعودؓ نے یہ سنتے ہی اس غلام کو آزاد فرمادیا۔

☆ ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضور ﷺ سے عرض کیا ”میں اپنے غلام کو روزانہ کتنی مرتبہ معاف کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا روزانہ کم از کم ستر (70) مرتبہ۔“

7- بچوں پر شفقت:

☆ آپ ﷺ بچوں پر نہایت مہربان اور شفیق تھے۔ انہیں پیار فرماتے، انہیں از خود سلام کرتے۔ انہیں اپنے ساتھ سواری پر بٹھاتے، انہیں تحفہ دیتے، ان سے ان کی دلچسپی کی باتیں کرتے۔

☆ ایک دفعہ ایک بچے کی چڑیا مر گئی تو آپ ﷺ نے ازراہ شفقت اس سے فرمایا ”تمہاری چڑیا کو کیا ہوا“

☆ کوئی نیا پھل آتا تو پہلے بچوں کو کھلاتے۔

☆ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت حسن بن علیؓ کو بوسہ دیا۔ اقرع بن حابس تمیمیؓ سردار نے دیکھا تو عرض کیا کہ میرے دس بیٹے ہیں، میں نے آج تک کسی کو اس طرح پیار نہیں کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”من لا یرحم لا یرحم“ (ترجمہ: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا)

8- حیوانات پر نرمی:

☆ حضور ﷺ نے جانوروں کے حقوق بیان فرمائے اور انسانوں میں ان کی تکلیف اور ضرورت کا احساس پیدا کیا اور فرمایا: ”جانور کو چارہ اور خوراک وقت پر اور ضرورت کے مطابق دی جائے۔“

☆ ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔

☆ حلال جانوروں کو تیز چھری سے ذبح کیا جائے تاکہ انہیں کم سے کم تکلیف محسوس ہو

☆ ان کے چہرہ پر نہ مارا جائے۔

☆ جانوروں کو داغنے کی ممانعت فرمائی۔

☆ فرمایا کہ ان کی پیٹھوں (پشتوں) کا منبر نہ بنایا جائے، یعنی ان پر سواری کی جائے یا نیچے اتر جائے اور بلا وجہ ان پر بیٹھ کر لمبی لمبی گفتگو نہ کی جائے۔

☆ ایک مرتبہ ایک اونٹ نے حضور ﷺ کے قدموں میں اپنا سر رکھ کر بلبلانا شروع کیا۔ آپ ﷺ نے اس کے مالک کو بلوایا اور فرمایا ”یہ اونٹ تمہارے ظلم کی شکایت کر رہا ہے اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ مت ڈالو اور اس کو چارہ ضرورت اور وقت کے مطابق دو“

9- چرند و پرند پر رحمت:

☆ ایک مرتبہ ایک صحابی چڑیا کے بچے اٹھا کر لے آئے چڑیا پریشانی میں پھڑ پھڑانے لگی، آپ ﷺ نے دیکھا تو پوچھا اس کے بچے اٹھا کر کس نے اس کو تکلیف دی ہے؟ ایک صاحب نے عرض کیا جی میں نے، فرمایا جاؤ جہاں سے اٹھا کر لائے ہو وہاں واپس چھوڑ کر آؤ۔

10- نباتات پر رحمت:

☆ آپ ﷺ کی ذات اقدس نباتات اور درختوں اور پودوں کے لئے تک باعث رحمت تھی، سایہ دار اور پھل دار درخت اور پودے کو بلا وجہ کاٹنے سے منع کیا۔ حتیٰ کہ غزوات میں فتح کے بعد کفار کے کھیت، فصلیں اور درختوں اور پودوں کو بھی جلانے اور تباہ کرنے سے منع فرمایا۔

11- جنات کے لئے رحمت:

☆ آپ ﷺ کی رحمت جنات کے لئے بھی تھی کہ انہیں آپ ﷺ کی برکت سے اسلام کی دولت نصیب ہوئی سورۃ جن میں جنات کے اسلام لانے کا تذکرہ موجود ہے

☆ اسی طرح آپ ﷺ نے جنات کی خوراک کا بھی خیال رکھا۔ ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنے سے منع کیا کیونکہ وہ جنات کی خوراک ہے۔

12- فرشتوں کے لئے رحمت:

☆ آپ ﷺ نے برہنہ حالت میں گفتگو کرنے سے منع فرمایا۔

☆ مسجد میں بدبودار چیز پیاز وغیرہ کھا کر آنے سے منع فرمایا کیونکہ اس طرح فرشتوں کو تکلیف لاحق ہوتی ہے۔

☆ اسی طرح آپ ﷺ نے جھوٹ سے منع فرمایا کہ اس کی بدبو سے فرشتہ ایک میل دور چلا جاتا ہے۔

☆ آپ ﷺ نے فرشتوں کی دعائیں لینے والے اور انہیں راحت پہنچانے والے اعمال کی ترغیب دی۔

13۔ خلاصہ کلام:

مختصر یہ کہ رسول ﷺ کی ذات اقدس کائنات کے ذرہ ذرہ کے لئے سراپا رحمت تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سوال: اخوت اسلامی پر مفصل نوٹ لکھیں۔

لغوی معنی و مفہوم:

اخوت کا لفظ کا ”اخ“ سے بنا ہے، جس کے معنی بھائی کے ہیں، اور اخوت کے معنی ہیں بھائی چارہ۔ اور مواخات کا معنی ہے بھائی بھائی بنانا یا بھائی چارہ قائم کرنا۔

اصطلاحی معنی:

اسلام اور ایمان کے رشتہ کی بنا پر دنیا کے تمام مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھنا اخوت کہلاتا ہے۔

اخوت کی اقسام:

اخوت کی دو اقسام ہیں۔ (الف) اخوت نسبی (ب) اخوت دینی

اسلام سے پہلے انسانیت کی حالت زار:

اسلام سے قبل انسانیت کی حالت زار ناقابل بیان معلوم ہوتی ہے انسان، انسان کا سب سے بڑا دشمن اور خون کا پیاسا تھا، انسانی معاشرہ، خاندانی، نسلی، قبائلی اور دیگر بے شمار انتشارات اور فرقہ بندیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ خود تراشیدہ اور من گھڑت روایات کی خاطر انسانوں کا خون بہانا عام معمول اور عزت و شرف کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ معمولی معمولی باتوں پر چالیس سال تک جنگیں ہوتی رہیں۔ غرضیکہ انسانی معاشرہ بھی زبان حال سے حیوانی معاشرہ کو رشک کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔

اخوت کی اہمیت قرآن کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے ذریعے انسانوں میں اخوت کا سویا ہوا جذبہ دوبارہ پیدا فرمایا اور اس کو اپنا خاص فضل قرار دیا۔

اہل ایمان بھائی بھائی:

اللہ نے ارشاد فرمایا انما المومنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم

(ترجمہ) بے شک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں، لہذا اپنے بھائیوں میں صلح کروادیا کرو۔

اخوت ”نعمت خداوندی“:

یقیناً اخوت اللہ کا فضل عظیم تھا۔ یہ نعمت صرف اللہ کی عنایت ہی سے حاصل ہوئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

واذکرو انعمۃ اللہ علیکم (اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو) اذکنتم اعداء (جب تم آپس میں دشمن تھے) فاللف بین قلوبکم (تو اس نے تمہارے دلوں

الفت پیدا کر دی) فاصحبتم بعمتہ اخوانا (پس تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے) (آل عمران: 103)

”جذبہ اخوت“ بغیر عطاء خداوندی کے ناممکن:

اخوت محض اللہ کا انعام ہے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی دولت خرچ کر کے بھی یہ نعمت حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ فرمان ربانی ہے۔

والف بین قلوبکم (اور ان (مومنوں) کے دلوں میں اسی نے الفت ڈالی) لو انفق مافی الارض جمیعاً (اگر آپ وہ سب کچھ بھی خرچ کر دیتے جو کچھ زمین

میں ہے) ما لفت بین قلوبہم (تو بھی ان لوگوں کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتے) ولكن اللہ الف بینہم (لیکن اللہ نے ان میں الفت ڈال دی)

اللہ کی رسی کو تھامنے کا حکم:

مسلمانوں کو تفرقہ بازی سے منع کرتے ہوئے اخوت و اتحاد کا درس دیتے ہوئے اللہ نے ارشاد فرمایا۔

واعتصمو بحبل جميعا ولا تفرقوا

(ترجمہ) ”اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور فرقہ بندی میں مت پڑو۔“

اخوت کو چھوڑنا کمزوری کا باعث:

”اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں، ورنہ تمہارے اندر کمزور پیدا ہو جائے گی، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔“ (الانفال: 46)

انتشار پھیلانے کی مذمت:

”جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے۔ وہ ہی ان کو بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔“ (الانعام: 159)

امت میں گروہ بندی کی ممانعت:

اور نہ ہو جاؤ ان مشرکین میں سے جنہوں نے اپنا اپنا دین الگ بنا لیا ہے اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں ہر ایک گروہ کے پاس جو کچھ ہے اس میں وہ مگن ہے (الروم: 31, 32, 33)

اخوت احادیث کی روشنی میں

حضرت ﷺ نے انسایت کو کیسے درس اخوت دیا:

حضرت ﷺ نے جنگ و جدال کے عادی معاشرے کو درس اخوت و محبت دیا اور مختصر سے عرصے میں معاشرے کی کاپی لپٹ کر رکھ دی۔ آپ ﷺ نے اپنے اخلاق و کردار سے دشمنوں کو دوست، بیگانوں کو یگانہ، اور خون کے پیاسوں کو بھائی بھائی بنا دیا۔

ایک طرف آپ ﷺ نے اپنی پوری حیات مبارکہ میں اپنی گفتگو، کلام (احادیث مبارکہ) کے ذریعے انسانوں کو اخوت کا درس دیا اور انہیں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے اور اسلام اور کلمے کے رشتے کی پاسداری کی تلقین فرمائی۔ اس ضمن میں چند اہم ارشادات نبوی ﷺ ملاحظہ فرمائیے۔

تکمیل ایمان کی شرط:

ایمان کے لیے جذبہ اخوت کا ہونا ضروری ہے۔ ہر صاحب ایمان پر لازم ہے کہ وہ جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرے۔

لا یومن احدکم حتی یحب لایحیہ ما یحب لنفسہ

(ترجمہ) تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے بھی وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

جسد واحد کی مثال:

آپ ﷺ نے مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور اخوت کو ایک جسم کی مثال کی طرح قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

المسلم اخو المسلم کا لجسد الواحد ان اشتکی شیئا منه وجد الم ذلک فی سائر جسده

(ترجمہ) ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے جیسے ایک جسم اگر جسم کے کسی حصہ میں کوئی تکلیف ہوتی ہے وہ اس تکلیف کو اپنے پورے جسم میں محسوس کرتا ہے۔

ظلم و ستم حرام:

اسی جذبہ اخوت کے تقاضوں کو یوں سمجھایا گیا ہے۔ کل المسلم علی المسلم حرام دمہ و مالہ و عرضہ

(ترجمہ) ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر سب کچھ حرام ہے اس کا خون اور اس کا مال اور اس کی عزت۔

بھائی بھائی بن جاؤ:

باہمی اتحاد و اتفاق کے راہ میں حائل اہم چیزوں میں موجود نفرت، بغض و عناد ہے اور جس بنا پر انسان دوسروں کے حقوق غصب کرتا ہے اور ان کی غیبت کرتا

ہے۔ آپ ﷺ نے ایسے تمام اعمال سے امت کو منع فرمایا جن سے باہمی اتحاد اور اخوت کو نقصان لاحق ہوتا ہے۔ فرمایا

”آپس میں کینہ نہ رکھو، حسد نہ کرو غیبت نہ کرو واللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ“

مسلمان بھائی کو حقیر سمجھنے کی ممانعت:

فرمان رسول ﷺ ہے ”کسی شخص کے برا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔“

اہل ایمان کا باہمی تعلق:

آپ ﷺ نے فرمایا.....المومن للمومن کا لبنیان یشد بعضہ بعضا ثم شبک بین اصابعہ

”تمام اہل ایمان ایک محل کی طرح ہیں جس کا ایک حصہ دوسرے کے تھامے ہوتا ہے، پھر آپ نے دونوں ہاتھ کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے دکھایا۔“

اسلامی معاشرہ کی خصوصیات:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم کرتا نہ اسے کسی مصیبت میں چھوڑ کر چل دیتا ہے اور نہ اس کی تحقیر کرتا ہے۔

باہمی ناراضی کی حد:

لا یحل للرجل ان یمہجر اخاه فوق ثلث لیال و خیر ہما الذی یدء بالسلام

کسی مسلمان کے لئے اپنے بھائی سے تین رات سے زیادہ میل جول چھوڑنا جائز نہیں ان دونوں میں سے بہتر وہ ہوگا جو پہلے السلام علیکم کہے (الحديث)

سیرۃ النبی ﷺ اور اخوت

حضور ﷺ نے اعلان نبوت سے پہلے اور بعد انسانوں کو درس اخوت دیا۔ آپ ﷺ نے زندگی بھر ایسے کاموں کا اہتمام فرمایا جن سے معاشرے میں اتحاد

پیدا ہوتا ہے اور ایسے کاموں سے اجتناب فرمایا جن سے معاشرے میں اختلاف اور انتشار پھیل سکتا تھا۔ چند مثالیں حسب ذیل ہیں۔

نزول وحی کے بعد حضرت خدیجہ الکبریٰ کی گواہی:

اپنے رشتہ دار ہوں یا باقی امت آپ ﷺ ساری زندگی انہیں جوڑنے کے لیے فکر مند رہے۔ چنانچہ ام لمونین حضرت خدیجہؓ نزول وحی کے بعد

آپ ﷺ کی اسی عادت مبارکہ کو آپ ﷺ کے سچے رسول ہونے کی گواہی کے طور پر پیش کیا۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا تھا: ”اللہ کی قسم اللہ ہرگز آپ ﷺ کو ضائع نہیں

کرے گا کیونکہ آپ ﷺ رشتہ داروں کو باہم جوڑتے ہیں، فقیروں کو مال عطا کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں۔“

”رشتہ مواخات“:

ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ مواخات قائم فرمایا۔ ہر مہاجر کو کسی انصاری صحابی کا بھائی بنا دیا ہے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے علیؓ

کو اپنا دینی بھائی بنایا۔ انصار نے اس فرمان نبوی کو انتہائی خوش دلی سے قبول کیا اور اس طرح سینکڑوں بے روز گھروں کا مسئلہ ایک ہی دن میں حل ہو گیا۔ اس مواخات

میں کافی عرصے تک باہمی وراثت بھی چلتی رہی پھر اس کو وحی سے منسوخ کر دیا گیا۔

اسوہ صحابہ کرام اور رشتہ اخوت:

صحابہ کرام اخوت کے اولین صدق تھے، انہوں نے حضور ﷺ سے تعلیم و تربیت لے کر اپنے درمیان ایسی اخوت کی ایسی مثالیں قائم کی جن کی مثال پوری

تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ ہجرت مدینہ کے بعد رشتہ مواخات ہوا غزوہ یرموک میں شہادت کے وقت پانی کا اپنے پیاسے بھائی کی طرف منتقل کرنا ہوا اپنے مہمان کو

کھانا کھلانے کے لئے چراغ گل کر دینے کا واقعہ ہوا کسی انصاری صحابی کی طرف سے اپنے مہاجر بھائی کے لیے آدھی جائیداد کی پیشکش ہو یا غریبوں اور محتاجوں کی

اشک جوئی ہو یا بائیس لاکھ مربع میل سے زیادہ کے حکمران فاروق اعظم کی صورت میں اپنے زرخیز غلام کو سواری پر بٹھا کر خود اونٹ کی نکیل تھام کر ملک شام اپنی منزل

پر پہنچنے کا بے مثل کارنامہ۔ اسوہ صحابہ کرام ”مسلمان جو ہیں سو بھائی بھائی ہیں“ کی عملی تفسیر اور بہترین مصداق تھا۔

سوال: مساوات کسے کہتے ہیں؟ حضور ﷺ نے اسلامی معاشرے میں مساوات کیسے قائم فرمائی؟

مساوات کا لغوی معنی:

مساوات کا لفظ ”سوی یسوی“ سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں برابری یا عدل و توازن۔

اصطلاحی معنی:

اولاد آدم ہونے کے اعتبار سے دنیا کے تمام انسانوں کو برابر سمجھنا مساوات کہلاتا ہے۔

اسلام سے قبل عرب معاشرے کی حالت زار:

اگر اسلام سے پہلے عرب اور دیگر معاشروں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان معاشروں میں برتری اور بزرگی کا معیار ادنیٰ چیزوں مثلاً دنیاوی نعمتوں، مال و دولت، حسن و جمال اور طاقت و رعب کو قرار دیا جاتا تھا۔ جبکہ اسلام نے آکر ان تمام غلط اور فسادہ باتوں کا خاتمہ کیا۔ اور آقا و غلام امیر و غریب، مالک و مزدور، شاہ و گدا، عرب و عجم اور مرد و عورت کو ایک صف میں کھڑا کر کے مساوات کا درس دیا۔ یہی وجہ تھی بہت سے مشرکین سردار اس وجہ سے اسلام قبول نہ کرتے تھے کہ اس طرح تو ہم اور ہمارے غلام بھی برابر ہو جاتے ہیں، جیسا کہ حضرت بلالؓ کے آقا امیہ بن خلف نے کہا تھا۔

مساوات کی اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں

ایک مرد و عورت کی اولاد:

یا ایہا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی (الحجرات) ترجمہ (اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔)

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة و خلق منها زوجہا و بث منهما رجلاً کثیراً و نساءً (النساء)

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیے۔“
ایک جیسا مادہ تخلیق:

خلق الانسان من صلصال کالفخار (الرحمن) (ترجمہ) اس نے انسان کو کھنکھتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔

هو الذی یصورکم فی الارحام (القرآن) (ترجمہ) وہی ہے جو رحم مادر میں تمہاری صورتیں بناتا ہے۔

خاندان اور قبیلہ کے فرق کی وجہ:

وجعلنکم شعوباً و قبائل لتعارفوا (الحجرات: 13) (ترجمہ) اور ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم آپس کی پہچان حاصل کر سکو۔

برتری کا معیار صرف ”تقویٰ“:

ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (المحجرات: 13)

بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہے۔

مساوات کی اہمیت حدیث کی روشنی میں

خطبہ حجۃ الوداع کا ”عظیم پیغام“ پوری انسانیت کے نام:

آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: یا ایہا الناس ان ربکم واحد (اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے) و ان اباکم واحد (اور تمہارا باپ (حضرت آدمؑ)) ایک ہے الا لا فضل لعربی علی عجمی (آگاہ رہو! کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں) ولا لعجمی علی عربی (اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل ہے) ولا لاحمر علی اسود (کسی سرخ کو کسی کا لے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں) ولا لاسود علی احمر (اور نہ کسی کا لے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت حاصل ہے) الا بالتقویٰ (فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے)

ایک اور مقام پر فرمایا: کلکم من آدم و آدم من تراب (ترجمہ) تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔

درس مساوات:

حضرت عقبہ بن عامرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ تمہارے خاندانی نسب اس لیے نہیں کہ دوسروں کی تحقیر کی جائے، تم سب کے سب آدم کی

اولاد ہو اور ہر ایک میں کوئی نہ کوئی کمی ہے شرافت کے پیمانے پر کوئی پورا نہیں اترتا، اس کمی میں تم سب برابر ہو۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہے مگر دین اور رہبر گاری کی بدولت۔ وہ آدمی پورا عیب دار ہے جو بے حیا اور کنجوس ہے۔“

اسوہ رسول اکرم ﷺ اور درس مساوات

☆ حضور ﷺ نے اپنے بیٹھنے کے لیے الگ چوڑا نہیں بنوایا بلکہ آپ ﷺ سب کے ساتھ مل جل کر بیٹھتے تھے۔

☆ آپ ﷺ نے الگ سے کوئی لباس نہیں سلوایا بلکہ جو پہن رکھا ہوتا اسی میں وفود سے ملتے تھے۔

☆ آپ ﷺ کی غذا سادہ تھی۔ ☆ آپ ﷺ کا مکان سادہ اور عام انسانوں کی طرح تھا۔

☆ آپ ﷺ نے گھر کے کام کاج میں حصہ لیا۔ ☆ آپ ﷺ اپنے کام خود اپنے دست مبارک سے کرنے کو پسند فرماتے تھے۔

☆ آپ ﷺ کی محفل مبارک میں سب لوگ برابر ہوا کرتے تھے۔ ☆ آپ ﷺ نے اپنے تشریف لانے پر لوگوں کے کھڑے ہونے سے منع کیا۔

☆ آپ ﷺ غلاموں اور غریبوں کے ساتھ بھی مل کر کھانا کھاتے تھے اور انہیں ک اپنے ساتھ سواری پر بٹھاتے تھے۔

☆ فاطمہ نامی عورت کی چوری کی سفارش کی درخواست سن کر فرمایا: میری بیٹی فاطمہ بھی ہوتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیتا۔

☆ آپ ﷺ نے خاندانی اور قبائلی فخر کو مٹایا، آپ ﷺ کے نزدیک سلمان فارسی، بلال حبشی اور صہیب رومی کی قدر و منزلت قریش کے معزز ترین لوگوں سے کم نہ تھی۔

☆ آپ ﷺ نے مساوات کا عملی مظاہرہ اس طرح فرمایا کہ اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب کا نکاح اپنے ایک آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارث سے کر دیا۔

☆ آپ ﷺ مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر میں عملاً شریک رہے۔ ☆ آپ ﷺ نے عام مسلمانوں کی طرح غزوہ احزاب کے موقع پر خندق کھودنے میں شرکت فرمائی۔

عبادات، مسجد اور درس مساوات:

اسلام کی تمام عبادات مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، وغیرہ مساوات کا عملی سبق اور درس دیتی ہیں۔ اسی طرح مسجد مسلمانوں کے لیے مساوات کی عملی تربیت گاہ ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوال: ہمارے نبی کریم ﷺ صبر و استقلال کے پہاڑ تھے۔ مثالوں سے واضح کیجئے۔

صبر کا لغوی معنی:

صبر کے لغوی معنی ”روکنے، برداشت کرنے اور سہنے“ کے ہیں۔

صبر کا اصطلاحی معنی:

اپنے نفس کو خوف اور گھبراہٹ سے روکنا اور مصائب و شدائد کو برداشت کرنا۔

استقلال کے لغوی معنی:

استقلال کے لغوی معنی ہیں استحکام و مضبوطی، ثابت قدمی، ڈٹے اور جبرے رہنا، قائم رہنا، دوام اختیار کرنا۔

استقلال کے اصطلاحی معنی:

استقلال دل کی مضبوطی اخلاقی بلندی اور ثابت قدمی کا نام ہے۔ جس کی وجہ سے انسان حق پر قائم رہتا ہے سچ کا ساتھ دیتا ہے، دین پر ثابت قدمی اختیار کرتا

ہے اور اس راہ میں حائل مشکلات اور مصائب کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتا ہے اور انہیں پورے حوصلے سے برداشت کرتا ہے۔ اور اپنے قول و فعل سے کسی اختیاری

بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرتا۔

صبر و استقلال قرآن مجید کی روشنی میں

بڑے عزم کی بات:

وا صبر علی ماصابک ان ذلک من عزم الامور (لقمان: 18) ”اور جو مصیبت آپ کو پیش آئے اسے صبر سے برداشت کرو بیشک یہ بڑے عزم کی بات ہے“

بلند رتبہ رسولوں کی سنت:

واصبر كما صبرا ولو العزم منا لرسول (الاحقاف: 26) ”اور صبر کیجئے جیسا کہ بلند رتبہ رسولوں نے صبر کیا“

محبت الہی کا حصول:

والله يحب الصبرين ”اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

معیت الہی:

ان الله مع الصبرين (البقرة: 153) ”بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

نصرت خداوندی کا ذریعہ:

يا ايها الذين امنوا استعينوا بالصبر والصلوة (البقرة) ”اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد طلب کرو۔“

اہل ایمان کی تعریف:

صبر و استقلال در اصل اس بات کا اقرار ہے کہ میری ذات، میری صحت اور میرے کمالات، میرے اہل و عیال، میرے رشتہ دار، میرا عہدہ و منصب، میرا مال و دولت غرضیکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت ہے وہ جب چاہے واپس لے لے، میں اس کے ہر فیصلہ پر راضی ہوں، اور ہر حالت میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔ قرآن مجید نے ایسے ہی مؤمنین کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

واذا اصابتهم مصيبتهم قالوا انا لله وانا اليه راجعون (البقرة)

”اور انہیں کوئی بھی مصیبت درپیش ہوتی ہے تو یوں کہتے ہیں یقیناً ہم تو اللہ کے ہیں اور ہمیں اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“

بے حساب اجر و ثواب:

انما يوفي الصبرون اجرهم بغير حساب (الزمو: 10) ”بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔“

صبر و استقلال حدیث کی روشنی میں

احادیث مبارکہ میں بہت سے مقامات پر صبر و استقلال کی ضرورت و اہمیت و افضلیت بیان کی گئی ہے مثلاً چند احادیث درج ذیل ہیں۔

☆ ”اور جان لو کہ صبر میں ہی مدد ہے“ ☆ ”صبر روشنی ہے“ ☆ ”صبر میری چادر ہے“

☆ ”صبر کشائش کی چابی ہے“ ☆ ”صبر آدھا ایمان ہے“

☆ ایک مرتبہ ایک صحابی کو نصیحت فرمائی کہ تو کہہ کہ میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر ڈٹ جا، اگرچہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔

اسوہ رسول اکرم ﷺ اور صبر و استقلال

آپ ﷺ نے ساری حیات طیبہ صبر و استقلال کا مظاہرہ فرمایا، چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

راہ خدا میں سب سے زیادہ تکالیف:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ ”اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس قدر تکالیف مجھے دی گئیں وہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں“ (الحدیث)

جب حضور ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو کفار نے آپ ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں، رسول اللہ ﷺ کو جھٹلایا، رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑایا، رسول اللہ ﷺ کو کسی نے (معاذ اللہ) جادوگر کر کہا اور کسی نے کاہن و شاعر، رسول اللہ ﷺ کے راستے میں کاٹنے بچھائے گئے، رسول اللہ ﷺ پر کوڑا کرکٹ جمع کر کے پھینکا گیا، رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں تک کو طلاقیں دی گئیں۔ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادوں کی وفات پر ڈھول کی تھاپ سنائی گئی، رسول اللہ ﷺ کو معاذ اللہ ایتر اور مقطوع النسل کہا گیا، رسول اللہ ﷺ سے معاشی قطع تعلقی کی گئی، رسول اللہ ﷺ کے قتل کے منصوبے بنائے گئے، رسول اللہ ﷺ کو زہر تک دینے کی کوشش کی گئی، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، حرم نبوت کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی، مدنی زندگی کی بے سرو سامانی کے باوجود میں جنگوں پر جنگیں مسلط کی گئیں مگر پھر بھی

آپ ﷺ نے صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور تبلیغ دین سے منہ نہ موڑا۔

صحن کعبہ میں سفاکی کا سامنا:

حرم کعبہ میں دوران نماز کفار و مشرکین میں سے ابو جہل کے اکسانے پر عقبہ بن ابی معیط نے حضور ﷺ کی پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی اور قہقہے لگائے گئے، بیٹی حضرت فاطمہؓ نے غلاظت کو ہٹایا اور مشرکین کو بددعا دی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹی صبر سے کام لو، اللہ انہیں ہدایت دے یہ نہیں جانتے کہ ان کی بہتری کس چیز میں ہے۔

ابولہب اور ادرام جمیل کی دشمنی:

ابولہب حضور ﷺ کا چچا تھا، وہ اس کی بیوی اُم جمیل دونوں آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے۔ دونوں ہمیشہ حضور ﷺ کو تکلیف دیتے اور آپ ﷺ کی تبلیغ میں رکاوٹیں پیدا کرتے۔ ابولہب کہتا کہ اس کی باتوں پر کان نہ دھرو، اس کی بیوی حضور ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھاتی، جس سے کئی مرتبہ آپ ﷺ کے تلوے لہولہاں ہو گئے۔ آپ ﷺ نے کبھی بددعا کے لیے ہاتھ نہ اٹھائے مگر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی مذمت میں سورہ لہب نازل کر دی۔

”ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گیا اور اس کا مال و اسباب اس کے کچھ کام نہ آیا، عنقریب اس کو شعلہ بار آگ میں ڈال دیا جائے گا اور اس کی بیوی کو بھی۔ جو لکڑیاں اٹھانے والی ہے اور اس کی گردن میں رسی ہے بٹی ہوئی۔“ (سورہ لہب)

شعب ابی طالب کا صبر آزمایہ:

نبوت کے ساتویں برس محرم الحرام میں خاندان بنو ہاشم سے قطع تعلقی (سوشل بایکٹ) کی گئی۔ چنانچہ تمام قبائل عرب نے بنو ہاشم سے ہر طرح کا لین دین اور میل جول بند کر دیا اور ابولہب کے سوا پورا خاندان بنو ہاشم تین سال تک حضور ﷺ کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور رہا۔ اس دوران سورج کی شعاعوں میں بغیر چھت کے سخت گرم ریت کے فرش پر لیٹ کر درختوں کے پتے چبا کر اور قطرات شبنم چاٹ کر بھی گزارہ کرنے کی نوبت پیش آئی۔

غزوہ احد:

غزوہ احد میں دندان مبارک شہید ہوئے، سر مبارک میں لوہے کی خود کی نوکیلی ٹیکلیں گڑھ گئیں۔ آپ ﷺ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی۔ سخت ترین اذیت کا سامنا کرنا پڑا، مگر آپ ﷺ کے پائے استقامت میں لغزش نہ آنے پائی۔

دیگر واقعات:

☆ آپ ﷺ کی گردن مبارک میں چادر ڈال کر اس زور سے بل دیئے گئے کہ گردن مبارک پر نشانات پڑ گئے۔

☆ وہ وقت بھی آ گیا حضور ﷺ نے صبر و استقلال کا پیکر بنے ہوئے فرمایا ”اگر وہ (کفار مشرکین) میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں میں تب بھی دین کی دعوت اور بتوں کی تردید نہیں چھوڑوں گا۔“

☆ آپ ﷺ نے چشم نمناک اور دل غمناک کے ساتھ بوجھل قدم لیے ہوئے غموں سے نڈھال اپنے آبائی اور محبوب وطن سرزمین مکہ کو خیر باد کہتے ہوئے حکم خداوندی میں مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی مگر فرائض نبوت سرانجام دیتے رہے۔

☆ غزوات میں صبر و استقلال کا مظاہرہ، مثلاً غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ حنین، غزوہ خندق وغیرہ۔

اسوہ صحابہ کرام:

حضور ﷺ کے تربیت یافتہ اہل بیت اور صحابہ کرام بھی صبر و استقلال کی تصویر تھے، چراغ لیکر ڈھونڈا جائے تو بلال حبشی، سلمان فارسی، صہیب رومی، خبیب، یاسر، زینب بنت رسول اللہ ﷺ، سمیہ، عثمان غنی، جعفر طیار، حمزہ، حسن و حسین اور دیگر بہت سے صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم جیسی صبر و استقلال کی مثالیں نہیں مل سکتیں۔

صبر و استقلال کے فوائد و ثمرات:

مقصد میں کامیابی / دشمن کی مایوسی ☆ اتحاد و امت ☆ مصائب کا آسان ہونا، ☆ سکون قلب نصیب ہونا، ☆ رحمت الہی کا حصول ☆ محبت باری کا

ذریعہ ☆ سنت انبیاء پر عمل ☆ دو جہاں کی کامیابی ☆ اسلام اور اہل اسلام کا غلبہ گناہوں ☆ جرائم کا سد باب ☆ پر امن اور مثالی معاشرہ کا قیام۔

سوال: عفو و درگزر سے کیا مراد ہے؟ اسوۂ رسول اکرم ﷺ کی روشنی میں تفصیلی نوٹ لکھیں۔

لغوی معنی:

عفو عربی زبان کا لفظ ہے جو ”عفا یعفو“ سے بنا ہے جس کے معنی معاف کرنا، مہربانی کرنا، احسان کرنا کے ہیں۔

اصطلاحی معنی:

بدلہ لینے کی طاقت رکھنے کے باوجود انتقام نہ لینا عفو و درگزر کہلاتا ہے۔ جس کی افضل صورت دل اور زبان دونوں سے معاف کر دینا ہے اور پھر زندگی میں اس خطا کا تذکرہ تک نہ کرنا ہے۔ اس سے دوستوں کی اور عزیزوں کی محبت بڑھتی ہے اور دشمنوں کی عداوت دور ہو جاتی ہے۔

عفو و درگزر کی اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں

عفو و درگزر اللہ تعالیٰ کی اہم صفات مبارکہ میں سے ایک صفت ہے۔ چند قرآنی مقامات درج ذیل ہیں۔

فان الله كان عفوا قديرا (النساء: 149) پس بلاشبہ اللہ معاف کرنے والا قدرت رکھنے والا ہے۔

واستغفر والله ان الله غفور رحيم (المزمل: پارہ 29) اور اللہ سے مغفرت مانگو کیونکہ اللہ بہت بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے اللہ کی صفت بھی یہی ہے کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ حالانکہ سزا دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ (النساء: 149)

اہل ایمان کی صفت:

والكظمين الغيظ والعافين عن الناس (آل عمران: 137) (ترجمہ) اور غصہ دبا لیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔

صبر کرنا بدلہ لینے سے بہتر:

”اور اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اسی قدر ملے جو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی۔ لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں ہی کے حق میں بہتر ہے“۔ (الخل: 14)

عفو و درگزر کی اہمیت حدیث مبارکہ کی روشنی میں

اصل بہادر کون:

ليس الشديد بالصرعة انما الشديد الذي يملك نفسه عند الغضب

”بہادر وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان تو وہ ہے کہ جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو پالے۔

روز قیامت بلند رتبہ:

”جو آدمی چاہتا ہے کہ روز قیامت اس کے درجے بلند ہوں اس کو چاہیے کہ وہ اس آدمی سے درگزر کرے جس نے اس پر ظلم کیا ہو“۔

نرمی سے محرومی کا نقصان:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”من تحرم الرفق تحرم الخير“ (ترجمہ) جو نرمی سے محروم رہا وہ بھلائی سے محروم رہا۔

سیرت النبی ﷺ سے عفو و درگزر کی مثالیں

1۔ واقعہ طائف:

محمد ﷺ نے قریش کی شدید مخالفت کے بعد وادی طائف کا قصد کیا تاکہ وہاں کے رہنے والوں کو دین اسلام کی دعوت دیں۔ طائف کے سرداروں نے آپ کی دعوت پر بلیک کہنے کی بجائے آپ سے نہایت غیر مہذب اور ناشائستہ برتاؤ کیا۔ آپ پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ کا جسم لہو لہان ہو گیا اور جوتے خون سے بھر گئے۔ اس موقع پر جبریل امین تشریف لائے اور عرض کیا ”اگر آپ حکم دیں تو طائف کے دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں تاکہ سرکش لوگ نیست و

نا بود ہو جائیں، مگر محمد ﷺ نے نہ صرف یہ کہ انہیں معاف کر دیا بلکہ ان کے حق میں دعا فرمائی ”اے اللہ ان کو ہدایت عطا فرما“

2- فتح مکہ کے موقع پر عفو و درگزر:

فتح مکہ کے موقع پر صحن کعبہ میں قریش مکہ کا اجتماع تھا، یہ وہ لوگ تھے جو آپ ﷺ کے قتل کے منصوبے بناتے رہے تھے، انہوں نے کتنے ہی مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا اور حضور ﷺ کو کم و بیش تیرہ سال اتنی تکالیف دیں کہ آپ ﷺ کو ہجرت کرنی پڑی، اب یہ لوگ خوف و دہشت کی تصویر بنے ہوئے تھے کہ نہ جانے اب ان سے کتنا شدید انتقام لیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے گروہ قریش! تم جاننے ہو میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرنے والا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا ”آپ نیکی کا برتاؤ کریں گے، کیونکہ آپ خود مہربان ہیں اور مہربان بھائی کے بیٹے ہیں“ آپ ﷺ نے قرآن مجید کی آیت پڑھی: ”آج تم پر کچھ الزام نہیں، اللہ بخشنے تم کو اور وہ سب مہربانوں کا مہربان ہے“۔ (سورہ یوسف: 92) چنانچہ آپ ﷺ نے چند افراد کے علاوہ تمام لوگوں کے لیے عام معافی کا اعلان فرمادیا۔

3- غزوہ احد اور عفو و درگزر:

غزوہ احد میں آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے، لوہے کے خود کی کڑیاں آپ ﷺ کے سر مبارک میں دھنس گئیں اور آپ ﷺ کو سخت تکلیف لاحق ہوئی مگر پھر بھی آپ ﷺ نے ظالموں کی بھلائی اور ہدایت کے لیے دعا فرمائی۔

4- بدو کے لیے معافی:

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے دوران سفر قیام کیا اور ایک درخت کے نیچے آرام کی غرض سے استراحت فرمانے لگے، ایک دشمن نے آپ ﷺ کی تلوار اٹھالی آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی، اس نے پوچھا کہ آپ ﷺ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ فرمایا ”اللہ“ یہ سننا تھا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی آپ ﷺ نے اٹھالی اور پوچھا اب تمہیں کون بچائے گا؟ اس نے کہا کہ آپ ﷺ کا اخلاق چنانچہ آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔

5- قاتلوں کو معافی:

آپ ﷺ نے اپنے چچا کے قاتل وحشی کو معاف فرمادیا۔ جب وہ ایمان لا کر حضرت وحشیؓ بنے۔
☆ آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا: ”اور سب سے پہلا خون جس کی معافی سے میں آغاز کرتا ہوں وہ ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا خون ہے (روایات کے مطابق ننھے ننھے آدم بن ربیعہ کو ایک آدمی نے پتھر مار کر جاں بحق کر دیا تھا)“

6- منافق کو معافی:

آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کو معاف کر دیا بلکہ اس کی نماز جنازہ ادا کی وراپنا لباس اسے بطور کفن پہنوا یا کہ شاید اس کی بخشش ہو جائے مگر اللہ تعالیٰ نے آئندہ ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔

عفو و درگزر کے فوائد و ثمرات:

..... دشمنی کا خاتمہ..... محبت و الفت میں اضافہ..... خاندانی نظام کا استحکام..... معاشرے میں عزت..... رضائے الہی کا حصول..... آخرت میں اجر و ثواب..... جرائم اور برائیوں کا خاتمہ..... امن و امان کا قیام..... دوسروں کی اصلاح..... اتحاد امت کا ضام

☆☆☆☆☆☆☆☆

سوال: ذکر سے کیا مراد ہے؟ اس کی اقسام اور فضیلت و اہمیت بیان کیجئے۔

ذکر کا معنی و مفہوم:

ذکر عربی زبان کا لفظ ہے جو ”ذکر یدکر“ سے بنا ہے۔ ذکر کے لغوی معنی ہیں یاد کرنا، نصیحت، وعظ، سمجھداری کی بات، زبان سے پڑھنے کی چیز وغیرہ۔

ذکر کا اصطلاحی مفہوم:

اصطلاحاً ذکر کے معنی ”اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے ہیں“ البتہ ذکر کے معنی بہت وسیع ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی اطاعت، نیکی اور بھلائی شامل ہے۔

ذکر کی اقسام:

ذکر کی تین بنیادی اقسام ہیں:

(1) ذکر قلبی:

دل سے ذکر کرنا، یعنی دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ چیزوں میں غور و فکر کرنا، صحیح اسلامی عقائد رکھنا، مثبت سوچ اور نظریہ سب شامل ہے۔

(2) ذکر لسانی:

زبان سے ذکر کرنا، یعنی زبان سے کی جانے والی تمام نیکیاں اور بھلائیاں شامل ہیں۔

(3) ذکر عملی:

انسانی وجود کے اعضاء سے سرانجام ہونے والے تمام نیک اعمال عملی ذکر میں شامل ہیں۔

ان تین اقسام کے پیش نظر نماز ذکر کی افضل ترین شکل ہے کیونکہ نماز میں ذکر کی تینوں اقسام قلبی، لسانی اور عملی جمع ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عبادات میں سب سے پہلے نماز ہی فرض کی گئی۔

ذکر کی اہمیت و فضیلت قرآن مجید کی روشنی میں

ذکر کثیر کا حکم:

یا ایہا الذین امنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا (النور: 31) ”اے ایمان والو! اللہ کو بہت کثرت سے یاد کرو۔“

اہل ایمان کی تعریف:

رجال لا تلهیہم تجارة ولا بیع عن ذکر اللہ (النور: 35) ”وہ مرد کہ سودا کرنے میں اور بیچنے میں اللہ کی یاد سے نہیں غافل ہوتے“

بارگاہ خداوندی میں تذکرہ:

”تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔“

فاذکرونی اذکرکم (البقرة)

یاد الہی سکون قلب کا ذریعہ:

”خوب سن کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو ہی جاتا ہے“

الابد ذکر اللہ تطمئن القلوب (الرعد: 28)

نماز یاد الہی کا اہم ذریعہ:

”اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو“

واقم الصلوة لذكوری (القران)

یاد الہی سب سے بڑی عبادت:

”اور اللہ کی یاد سب سے بڑھ کر ہے۔“

ولذکر اللہ اکبر (العنکبوت: 30)

یاد الہی سے غفلت ہلاکت کا راستہ:

”پس ان دلوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنے رب کی یاد سے غافل ہیں۔“

فویل للقسية قلوبہم من ذکر اللہ (الزمر: 22)

”ذکر الہی“ فلاح و کامرانی کا ذریعہ:

”اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تا کہ تم فلاح پا سکو۔“

واذکروا اللہ کثیر العلمکم تفلحون (الجمعة: 10)

ذکر کی اہمیت و فضیلت حدیث مبارک کی روشنی میں

حضور ﷺ کی ایک صحابی کو نصیحت:

”تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر و تابی چاہئے“

فرمایا: ”لا يزال لسانک رطب من ذکر اللہ“

روز قیامت بلند مرتبہ:

آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ قیامت کے روز اللہ کے نزدیک کس کا درجہ سب سے زیادہ ہوگا فرمایا ”کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والوں کا“۔

رحمت الہی کا نزول:

”جب کوئی جماعت اللہ کا ذکر کرتی ہے تو فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور ان پر رحمت چھا جاتی ہے اور ان پر تسکین نازل کی جاتی ہے اور اللہ بھی انکا فرشتوں کی مجلس میں ذکر کرتا ہے۔“

روز قیامت رحمت الہی کا سایہ:

”روز قیامت سات افراد کو سایہ رحمت عطا کیا جائے گا، جن میں ایک شخص وہ ہوگا جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں میں (اللہ کے خوف سے) آنسو آگئے۔“

زندہ و مردہ کی مثال:

”اللہ کا ذکر کرنا والے کی مثال زندہ جیسی ہے اور ذکر نہ کرنے والی کی مثال مردہ کی سی ہے۔“

ذکر کے علاوہ ہر چیز ملعون:

”الا ان الدنيا ملعونة و ملعون ما فيها الا ذكر الله و عالم اور متعلم“

ترجمہ: آگاہ رہو! دنیا اور دنیا کی ہر چیز ملعون (رحمت الہی سے دور اور محروم) ہے۔ سوائے اللہ کے ذکر کے اور عالم (دین) یا علم حاصل کرنے والے کے۔

قرب خداوندی:

حدیث قدسی ہے: ”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے متعلق گمان کرتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، جب وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ محفل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر محفل میں اس کا ذکر کرتا ہوں“ (بخاری)

اسوہ رسول اکرم ﷺ اور ذکر:

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ حضور کی عبادت اور ذکر و اذکار کا حال یوں بیان فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ رات کو اتنی دیر تک کھڑے ہو کر عبادت کیا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے پائے مبارک میں ورم آجاتا۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا یا رسول ﷺ آپ کے لیے اللہ نے جنت لکھ دی، پھر آپ ﷺ اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اولم اکن عبد اشکور! (کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ بنوں)

اذکار مسنونہ اور نوافل:

افضل الذکر لا اله الا الله (افضل ذکر لا اله الا الله ہے) ☆ افضل الدعاء الاستغفار (افضل دعا مغفرت طلب کرنا ہے۔)

☆ دو جملے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے، اللہ تعالیٰ کو پسند، اور نامہ اعمال میں بہت وزنی ہیں، وہ یہ ہیں ”سبحان الله و بحمده سبحان الله العظيم“

☆ ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنے والے اور جنت کے درمیان صرف موت کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے۔

☆ تسبیح فاطمہؓ (33 بار سبحان اللہ، 33 بار الحمد للہ اور 34 بار اللہ اکبر کہنا) چونکہ یہ تسبیحات حضور ﷺ نے فاطمہؓ کو سکھائی تھیں اس لیے انہیں تسبیح فاطمہؓ کہا جاتا ہے رات کو

سونے سے پہلے اور فرض نمازوں کے بعد اسے پڑھنا سنت ہے۔

باب چہارم تعارف قرآن وحدیث

سوال: 1 قرآن کے اسماء کون کون سے ہیں؟ پہلی وحی کے نزول کا واقعہ تفصیل سے لکھیں۔

قرآن کا لغوی معنی:

قرآن کا لفظ ”قراء“ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں بار بار پڑھنا، کثرت سے پڑھنا۔

قرآن کا اصطلاحی معنی:

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وہ آخری الہامی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ پر تینیس سال کے عرصے میں حالات و ضرورت کے مطابق نازل کی۔ جو ہمارے پاس کتابی شکل میں موجود ہے۔ اور جو ہم تک پورے تسلسل کے ساتھ بغیر کسی شک و شبہ کے پہنچی ہے۔

اسماء القرآن:

کتاب البرہان میں علامہ سیوطی نے قرآن مجید کے پچپن اسمائے گرامی تحریر کئے ہیں۔ یہ وہ نام ہیں جو قرآنی آیات سے لیے گئے ہیں۔ مثلاً

الکتاب: دنیا میں تمام کتابوں میں کتاب کہلانے کا مستحق قرآن ہی ہے۔

الفرقان: سچ اور جھوٹ میں فرق کرنے والی کتاب یعنی حق اور باطل کی باتوں میں فرق کرنے والی کتاب۔

النور: روشنی اور ہدایت دکھانے والی یعنی گمراہی اور ظلمت سے نکال کر نور اور ہدایت کے راستے کی طرف لے جانے والی کتاب۔

الشفاء: روحانی شفاء اور پیغام صحت

العلم: یہ کتاب سراپا علم و معرفت ہے۔

قرآن مجید کے صفاتی نام:

قرآن مجید کے صفاتی نام بھی ہیں۔ مثلاً

حکیم: حکمت والا.....

مجید: بزرگ.....

مبارک: بابرکت.....

العزیز: زبردست عزت والا.....

مبین: ہدایت کا واضح کرنے والا.....

کریم: کرامت اور بزرگی والا۔

نزول وحی کا آغاز

روایہ صادقہ:

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ پر وحی کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا۔ آپ خواب میں جو کچھ دیکھتے وہ بیداری میں صبح کی روشنی کی طرح نمودار ہوتا۔ اس کے بعد آپ تنہائی کو پسند کرنے لگے۔

غار حرا میں تنہائی:

جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس برس ہو گئی تو آپ ﷺ اکثر اوقات مکہ مکرمہ سے تقریباً اڑھائی کلومیٹر دور پہاڑ میں واقع ”غار حرا“ میں تشریف لے جاتے۔

جبریل کی آمد:

ایک دن اچانک حضرت جبرائیل غار کے داخلی راستے پر تشریف لائے اور کہا ”اقراء“ پڑھئے آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں پڑھا ہوا نہیں“ تین بار یہی سوال وجواب ہوتا رہا۔ چوتھی بار جبرائیل نے آپ ﷺ کو پکڑ کر دبا دبا اور چھوڑ دیا۔

پہلی وحی کا نزول:

اس کے بعد سورۃ علق کی ابتدائی یہ پانچ آیات نازل ہوئیں۔

ترجمہ: ”پڑھا اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے، جس نے آدمی کو جسے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھا اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا، جس نے آدمی کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔“
گھر والیسی:

اس پہلی وحی کے بعد آپ ﷺ پر بشری تقاضا کے تحت کچی طاری ہو گئی۔ گھر تشریف لائے، زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ الکبریٰ سے فرمایا: (زملونی زملونی) میرے اوپر چادر ڈال دو، میرے اوپر چادر ڈال دو۔
خدیجہؓ کا تسلی دینا:

جب افاقہ ہوا تو آپ ﷺ کی وفا شعار زوجہ محترمہ نے آپ ﷺ کو ان الفاظ میں تسلی دی۔
”اللہ آپ ﷺ کو ہرگز ناکام نہیں کرے گا۔ آپ ﷺ رشتہ داروں کو باہم جوڑتے ہیں۔ لوگوں کی مشکلات کا بوجھ برداشت کرتے ہیں، فقیروں کو مال عطا کرتے ہیں اور مہمان نواز ہیں۔“ ہم مسلمانوں کو بھی یقین رکھنا چاہیے کہ ان خوبیوں کو اپنانے والا عملی زندگی میں ناکام نہیں ہوگا۔
ورقہ بن نوفل سے ملاقات:

پھر خدیجہؓ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جو جوانی میں عیسائی ہو گیا اور اب بڑھاپے کی وجہ سے نابینا ہو چکا تھا۔ اس نے آپ کی بات سننے کے بعد کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جس کو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو اس شہر سے نکال دے گی۔ کچھ دن بعد ورقہ فوت ہو گیا اور وحی آنا بند ہو گئی۔

فترۃ الوحی:

پہلی اور دوسری وحی کے نزول کا درمیانی عرصہ فترۃ الوحی کہلاتا ہے اور مشہور قول کے مطابق یہ چھ ماہ کا عرصہ ہے۔
دوسری وحی کا نزول:

دوسری وحی میں سورۃ المدثر کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئیں۔ پھر نزول وحی کا یہ سلسلہ تقریباً بائیس سال تک جاری رہا۔

آخری وحی:

آپ ﷺ نے 10 ہجری میں حج ادا فرمایا، اس موقع پر 9 ذوالحجہ کو میدان عرفات میں آپ ﷺ پر تکمیل دین کی آیات مبارکہ نازل ہوئی، جو احکامات میں سب سے آخری وحی تھی۔
(ترجمہ) ”آج کے دن ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کیا۔“

سوال 2: مکی اور مدنی سورتوں کی خصوصیات بیان کیجئے۔

مکی و مدنی سورتوں کی خصوصیات

حضرت محمد ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد تقریباً تیرہ سال مکہ مکرمہ میں گزارے اس عرصہ میں جو سورتیں اور آیات نازل ہوئیں انہیں مکی سورتیں اور آیات کہا جاتا ہے۔ ان سورتوں میں حالات و ضروریات کی مناسبت سے اسلوب بیان اور تعلیمات کا خیال رکھا گیا ہے البتہ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ ایسا بھی ہوا کہ بعض مکی سورتوں میں مدنی اور بعض مدنی سورتوں میں مکی آیات بھی شامل کی گئی ہیں۔

مکی سورتوں کی خصوصیات

حضرت محمد ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد 13 سال مکہ مکرمہ میں گزارے اس عرصہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہونے والی سورتیں اور آیات مکی سورتیں و آیات کہلاتی ہیں۔ جن سورتوں کی تعداد 86 ہے۔ جن میں اس زمانے کی ضروریات اور حالات کا مکمل خیال رکھا گیا تھا۔

1۔ لفظ ”کلا“ (ہرگز نہیں) موجود ہو:

یہ لفظ کسی اہم واقعہ کی نشاندہی ہی، کسی غلط نظریہ کی نفی اور کسی بات کی اہمیت وغیرہ کو واضح کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پندرہ سورتوں میں 33 مرتبہ استعمال ہوا

ہے اور یہ ساری آیتیں قرآن حکیم کے آخری نصف حصہ (سپارہ 16 تا سپارہ 30) میں ہیں، جیسے:

کلاسوف تعلمون (سورۃ النبأ) ہرگز نہیں! تم بہت جلد جان لو گے۔

کلابل ران علی قلوبہم ما کانو ایکسیون (سورۃ المطففین) ہرگز نہیں! بلکہ ان دلوں پر ان برے کاموں کی وجہ سے زنگ لگ چکا ہے۔

2۔ قصہ آدمؑ و ابلیس کا تذکرہ:

سورۃ حج اور سورۃ البقرۃ کے سوا ہر وہ سورت جس میں آدمؑ و ابلیس کا واقعہ مذکور ہے وہ کئی سورتیں ہیں جن میں حضرت آدمؑ کا خلیفہ بنایا جانا فرشتوں اور ابلیس کے سجدے کا حکم ملنا، ابلیس کا سجدے سے انکار کرنا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مردود ہو جانا مذکور ہے۔

3۔ آیات سجدہ:

کئی سورتوں میں 13 آیات سجدہ موجود ہیں جیسے سورۃ العلق، سورۃ الانشقاق وغیرہ۔ جبکہ مدنی سورتوں میں صرف سورۃ حج میں سجدہ تلاوت ہیں۔

4۔ حروف مقطعات سے آغاز:

حروف مقطعات سے مراد وہ حروف جو لکھے اکٹھے مگر الگ الگ پڑھے جاتے ہیں۔ مثلاً الم، حم، یس، ق، الر، طہ، وغیرہ۔ سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران کے علاوہ جن 27 سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات موجود ہیں وہ کئی ہیں ان حروف کے حقیقی اور قطعی معنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، ان کے جو معنی بیان کئے گئے ہیں وہ اندازے پر مبنی ہیں۔ ان حروف کو لانے کی حکمتیں بھی بہت سی بیان کردہ ہیں۔

5۔ مختصر مگر جامع سورتیں اور آیات:

کئی سورتیں عام طور پر مختصر مگر جامع ہوتی ہیں مثلاً سورۃ الکوتر، سورۃ العصر وغیرہ یہ قرآن مجید کی سب سے مختصر سورتیں ہیں مگر ان کی جامعیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں ”اگر اللہ تعالیٰ سورۃ العصر کے علاوہ کوئی سورت بھی نہ نازل کرتا تب بھی یہ ایکلی سورت انسانیت کی ہدایت اور فلاح کے لیے کافی ہو جاتی“

6۔ عقائد اسلام کا تذکرہ:

مشرکین مکہ کے عقائد خرابی کی انتہا کو پہنچ چکے تھے اور تمام اعمال کی بنیاد بھی عقائد پر ہے۔ اعمال کی قبولیت کی بنیادی شرط عقائد کا ٹھیک ہونا ہے اس لیے کئی سورتوں میں عقائد کی اصلاح پر زیادہ زور دیا گیا۔ توحید، رسالت، ملائکہ، آسمانی کتابیں اور آخرت کا بیان تفصیل سے کیا گیا۔ جنت و دوزخ کا تذکرہ نہایت پر اثر انداز میں کیا گیا۔

7۔ مشرکین اور شرک کی نفی:

کئی سورتوں میں مشرکین کے باطل اور خود تراشیدہ عقائد و نظریات کی بیخ کنی کی گئی ہے شرک کی سزا بیان کی گئی ہے مثلاً جنت سے محرومی، اللہ کی ناراضی، عذاب جہنم، اعمال کا ضائع ہونا وغیرہ نیز عقلی دلائل کی روشنی میں شرکیہ عقائد کا بطلان واضح کیا گیا ہے۔

8۔ رسومات جاہلیت اور بدعات کی نفی:

لوگ طرح طرح کی رسومات اور بدعات میں گھرے ہوئے تھے۔ کئی سورتوں میں نہ صرف یہ کہ ان بے سرو پا باتوں کی تردید کی گئی ہے بلکہ ان کے دین ابراہیمی سے نہ ہونے کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

9۔ مقفیٰ و مسجع عبارتیں:

کئی سورتیں ہم قافیہ، ہم وزن، اور صوتی ہم آہنگی کی حامل ہیں۔ انداز بیان نہایت پر اثر ہے سخت سے سخت سے دشمن بھی جس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے عرب و عجم میں جس کے اثرات یکساں ہیں حتیٰ کہ زمانے کا قرب و بعد بھی اس میں رکاوٹ ثابت نہ ہو سکا۔ مثلاً سورۃ الرحمن، سورۃ الواقعة، سورۃ النبا، سورۃ النازعات، سورۃ الانفطار وغیرہ۔

10۔ اہل ایمان کو صبر و استقلال کی تلقین:

کئی زندگی میں اہل ایمان پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے جاتے تھے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے ان مظالم کی وجہ سے ایمان و اسلام پر ثابت قدم رہنا آسان نہ تھا اللہ تعالیٰ نے کئی سورتوں میں اہل ایمان کو صبر و استقلال کی تلقین کی ہے۔ دین پر ثابت قدم رہنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

11- فصیح و بلیغ اسلوب بیان:

سورۃ الکوش کو دیکھ کر کفار کے بڑے شعراء نے اپنے تمام قصیدے اور شہ پارے اتار لیے تھے اور سورۃ الکوش کی فصاحت و بلاغت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔

12- تخلیقات خداوندی کی قسمیں:

کئی سورتوں میں کلام کو مضبوط اور موکد بنانے کے لیے قسمیں اٹھائی گئی ہیں مثلاً والعصر، والتین، والضحیٰ، والفجر وغیرہ۔ قسم اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ عظیم تخلیق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ حقیقت اور بات کی گواہ ہیں۔

13- مستقبل کے بارے میں پیش گوئیاں:

کئی سورتوں میں مستقبل کے بارے میں بہت سی خبریں اور پیش گوئیاں بیان کی گئی ہیں مثلاً سورۃ الروم، میں شکست خوردہ رومیوں کے عنقریب فتح یاب ہونے کی پیش گوئی جو چند ہی سالوں میں سچ ثابت ہوئی اسی طرح اور بہت سے مواقع پر ایسی تمام پیش گوئیاں اور خبریں سچ اور حقیقت ثابت ہوئیں۔

14- کائنات میں غور و فکر کی دعوت:

کئی سورتوں میں کائنات اور تخلیقات خداوندی میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ عقل و خرد کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی تلقین کی گئی ہے وجود باری تعالیٰ کے متعلق متعدد آیات مبارکہ ذکر کی گئی ہیں۔

15- بنی نوع انسان کو خطاب:

کئی سورتوں میں روئے سخن تمام انسانیت کی طرف کیا گیا ہے۔ چونکہ مکہ مکرمہ میں مسلمان اور غیر مسلم سبھی تھے بلکہ غیر مسلم غالب اور کثیر تعداد میں تھے اس لیے بھی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ تمام انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور ”یا ایہا الناس“ یعنی اے لوگو! سے خطاب کیا گیا ہے۔

16- معاشرتی آداب کی تعلیم:

انسانوں کو معاشرتی آداب کی تلقین کی گئی ہے۔ مثلاً عدل و انصاف، دیانتداری، صبر و استقلال، احترام قانون، سچائی، ایفائے عہد وغیرہ اور ان تعلیمات کا مقصد انسانوں میں انسانوں کے بارے میں ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنا اور انسان ایک دوسرے پر ظلم ڈھانے کے بجائے اس کے حقوق کا محافظ بن جائے۔

17- سابقہ قوموں کے حالات و واقعات سے عبرت:

مشرکین چونکہ اپنے غلط عقائد و اعمال کو اپنے بڑوں کی طرف منسوب کرتے تھے اور ان کی غلط تقلید کو کامیابی کی وجہ بتانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس لیے ان کو ہدایت کے راستے پر لانے کے لیے سابقہ قوموں کے حالات و واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ فرمانبرداروں کا نیک انجام اور نافرمانوں کا انجام بد بیان کیا گیا ہے۔

18- اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات کا تذکرہ:

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے انسان پر جو جو مادی اور روحانی احسانات فرمائے ہیں کئی سورتوں میں ان کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور نہ ماننے والوں کو وہ احسانات یاد دلانے کی دعوت دی گئی ہے۔

19- غیر اللہ کی محتاجی اور کمزوری کا بیان:

مشرکین اللہ تعالیٰ کے علاوہ دیگر مخلوقات کو خدائی صفات کا مالک سمجھتے تھے اور انہیں خدائی مقام پر فائز سمجھتے تھے۔ کئی سورتوں میں ان معبودان باطلہ کی کمزوری اور بے بسی کا تذکرہ کیا گیا ہے جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود مانتے ہو وہ تو خود اپنے نفع و نقصان کے بھی مالک نہیں تو تمہارے یا کسی اور کے نفع و نقصان کے کیسے مالک ہو سکتے ہیں؟

مدنی سورتوں کی خصوصیات

مدنی سورتوں سے مراد وہ سورتیں اور آیات ہیں جو ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوئی ہیں۔

1- ارکان اسلام کا بیان:

مدنی سورتوں میں ارکان اسلام میں سے روزہ، زکوٰۃ، اور حج وغیرہ کا فرضیت کا بیان ہے جبکہ نماز تو ہجرت سے پہلے فرض ہو چکی تھی۔

2۔ اہل ایمان سے خطاب:

مدنی سورتوں میں اہل ایمان کی طرف روئے سخن زیادہ ہے اور انہیں ”یایہذا الذین امنوا“ اے ایمان والو! کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے اس مبارک خطاب میں جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت جھلک رہی ہے وہاں اہل ایمان کی صداقت و حقانیت پر مہرِ خدائی بھی ثبت کی گئی ہے۔

3۔ معاشرتی احکامات:

مدنی سورتوں میں معاشرتی قوانین اور حدود کا بیان ہے جن میں بالخصوص نکاح، طلاق، عدت، رضاعت، لعان، حقوق العباد، وغیرہ احکامات قابل ذکر ہیں۔

4۔ سیاسی مسائل کا حل:

اسلامی ریاست کے قیام کے بعد سیاسی اور شہری زندگی کے قوانین کی اشد ضرورت تھی چنانچہ مدنی سورتوں میں اسلامی ریاست کے آئین و قانون کو مکمل کیا گیا ہے اور تمام بنیادی احکام و قوانین سے نوازا گیا ہے جن میں حکومت و رعایا کے حقوق اور ان کے فرائض کا تعین بھی شامل ہے۔

5۔ راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی فضیلت:

مدنی سورتوں میں اہل اسلام کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب طریقیہ، مصارف، آداب و شرائط، اور صاحب استحقاق افراد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کنجوسی کی ممانعت اور ایسا کرنے کے نقصانات، ریاکاری کی نیت سے صدقہ کرنے، صدقہ کر کے احسان جتلانے یا تکلیف پہنچانے کی مذمت کو بیان کیا گیا ہے۔

6۔ عدل و احسان کا حکم:

کسی بھی معاشرے کا قیام و دوام اور ترقی و فلاح عدل و انصاف اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے پر منحصر ہے۔

7۔ تجارت اور دیگر لین دین کے احکام:

مسلمانوں کو رزق حلال کمانے کی ضرورت تھی تاکہ دین اور دنیا کے امور بخیر و خوبی ادا کیے جاسکیں اللہ تعالیٰ نے مدنی سورتوں میں تجارتی، معاشرتی اصول و ضوابط، باہمی لین دین معاملات کی درستی و صفائی اور خرید و فروخت کے آداب کو بیان کیا گیا ہے۔

8۔ جہاد کی فرضیت کی آیات:

مدنی آیات و سورتوں میں جہاد کی اجازت، آداب و شرائط، مقاصد و حکمتیں، جہاد نہ کرنے پر وعید و نقصان، دوران جہاد لڑنے، جنگی حکمت عملی دشمنان دین کی چالوں اور سازشوں، مال غنیمت اور مالی فائدے اور ان کی تقسیم کے طریقہ کار کو اور جہاد کے دنیوی و اخروی فوائد و ثمرات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

9۔ مختلف غزوات کا تذکرہ:

مدنی سورتوں میں مختلف غزوات، مثلاً غزوہ بدر، غزوہ احزاب، غزوہ احد اور دیگر غزوات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

10۔ منافقین کا تذکرہ:

مدنی سورتوں میں کئی مقامات پر منافقین کا ذکر ہے۔ منافقین کی سازشوں، منافقین کے لیے دنیا و آخرت میں سزا و عذاب، ان کے مزاج کو واضح کیا گیا ہے۔

11۔ یہود و نصاریٰ کا تذکرہ:

مدینہ منورہ میں چونکہ یہود و نصاریٰ سے واسطہ پڑا تھا۔ اس لیے ان سے متعلق ہدایات و احکامات بھی ان سورتوں میں بیان کئے گئے ہیں۔

12۔ طویل سورتیں اور آیات:

یہ سورتیں اور آیات طویل اور لمبی ہیں۔ قرآن مجید کی بڑی سورتیں تقریباً اکثر سورتیں مدنی ہیں۔

13۔ سادہ مگر پراثر اسلوب بیان:

ان سورتوں میں مکی سورتوں کی نسبت سادہ اور آسان اسلوب بیان اختیار کیا گیا ہے۔ افہام و تفہیم کے لحاظ سے نہایت موزوں اور اہم ہیں مگر اس کے باوجود اپنی تاثیر اور

سحرانگیزی میں بے مثل، بے بدل اور شریک غیر سے پاک ہے۔

14۔ عظمت مصطفیٰ ﷺ کے تذکرے:

مدنی سورتوں میں حضور اکرم ﷺ کی عظمت و شان کے تذکرے جا بجا ملتے ہیں آپ ﷺ کی عظمت و شان، مقام و مرتبہ، دربار رسالت کے آداب مثلاً حاضری، بات چیت، اطاعت و اتباع وغیرہ کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

15۔ تکمیل دین کا ذکر:

مدنی سورتوں میں تکمیل دین کا اعلان ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوال: قرآن مجید کی جمع و تدوین پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

سوال: قرآن مجید کی جمع و تدوین پر دور نبوی ﷺ، دور صدیقیؓ اور دور عثمانیؓ کی روشنی میں تفصیلی نوٹ لکھیں

جمع و تدوین قرآن مجید

معنی و مفہوم:

قرآن مجید کی جمع و تدوین کا معنی ہے ”مکمل قرآن مجید کو بذریعہ کتابت کتابی شکل میں جمع کر لینا“ جو دراصل قرآن مجید کی حفاظت کی ہی ایک اہم کڑی اور لڑی ہے۔ سابقہ آسانی کتابیں تحریر شدہ (لکھی ہوئی) شکل میں نازل ہوئی تھیں جبکہ قرآن مجید 23 سال کے عرصہ میں حالات و ضروریات کے مطابق تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا اس لیے حضور ﷺ اپنے صحابہؓ کے ذریعے اس کی جمع و تدوین کرواتے رہے آپ ﷺ کے انتقال پر ملال سے پہلے قرآن مجید مکمل طور پر تحریر کیا جا چکا تھا مگر ایک کتاب کی شکل میں نہیں لکھا گیا تھا۔ آپ ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد صحابہ کرامؓ نے اس اہم اور بنیادی ذمہ داری کو مکمل احسن و خوبی اور دیانتداری سے ادا فرمایا چنانچہ آج امت مسلمہ کے پاس قرآن مجید تحریر شدہ شکل میں موجود ہے قرآن مجید کی جمع و تدوین کے حوالے سے تین دور زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

(3) دور عثمانیؓ

(2) دور صدیقیؓ

(1) دور نبوی ﷺ

جمع و تدوین قرآن مجید اور دور نبوی ﷺ

حفاظت قرآن کا وعدہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ حسب ذیل آیت مبارکہ میں فرمایا ہے ”انسانحن نزلنا الذکر و انالہ لـخـفـظون“ (الحجر: 09) بے شک یہ نصیحت ہم نے خود اتاری ہے اور بلاشبہ ہم خود ہی اس کے نگہبان (بھی) ہیں۔ اس آیت میں تین باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ (اول) یہ کتاب کائنات کے خالق و مالک نے انسانیت کی راہنمائی اور ہدایت نازل کی ہے اس لیے کوئی معمولی درجہ کی کتاب نہیں (دوم) یہ کتاب ”ذکر“ یعنی نصیحت ہے یعنی یہ کتاب لوگوں کی نصیحت اور بھلائی کی خاطر نازل کی گئی ہے۔ (سوم) یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے یعنی اس کتاب کو قطع و برید اور تحریف سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے برخلاف دوسری آسانی کتابوں کے کہ وہ تحریف کے عمل سے بچ نہیں سکیں۔

نماز، نوافل اور تلاوت قرآن مجید:

آپ ﷺ کا سینہ مبارک قرآن مجید کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ اور خزانہ تھا جس میں کسی ادنیٰ غلطی یا تبدیلی کا امکان نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ قرآن کی تلاوت کا کثرت سے اہتمام فرماتے اور نمازوں میں بھی جہری (اوپنی) اور سری (آہستہ) تلاوت فرماتے جبکہ نوافل میں طویل قرات فرماتے تھے۔ اور ایک عرصہ تک پوری پوری رات قیام فرمایا اور قرآن مجید کی تلاوت فرماتے آپ ﷺ خود تلاوت کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف اوقات میں مختلف صحابہ کرامؓ سے بھی تلاوت سماعت فرماتے اور تلاوت قرآن کے دوران آپ ﷺ پر رقت طاری ہو جاتی۔

قرآن مجید کا دور (دہرانا):

مزید احتیاط کے طور پر ہر سال رمضان کے مہینے میں حضرت جبرائیلؑ کو قرآن سنایا کرتے تھے اور جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس سال آپ ﷺ نے دو مرتبہ حضرت جبرائیلؑ کے ساتھ قرآن کا دور کیا۔ یہ سب محنت قرآن مجید کی بذریعہ حفظ حفاظت کا ذریعہ تھا۔

حفاظت قرآن بذریعہ کتابت:

حفاظت قرآن مجید کا دوسرا بڑا ذریعہ ”کتابت“ یعنی قرآن پاک لکھ کر محفوظ کر لینا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ خود قرآن مجید کو لکھوانے کا اہتمام فرماتے اور جب بھی کوئی سورۃ یا آیات نازل ہوتی آپ ﷺ اسے اپنے پاس موجود کاتبین وحی سے لکھوا کر محفوظ فرما لیتے۔

کاتبین وحی:

کاتبین وحی ان حضرات کو کہا جاتا ہے جو قرآن مجید نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ کے حکم فرمانے پر لکھ لیا کرتے تھے ان کی تعداد تقریباً بیالیس (42) ہے۔ جن میں خلفائے راشدین (ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی المرتضیٰؓ) عبداللہ بن مسعودؓ، امیر معاویہؓ، زید بن ثابتؓ، ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، عمرو بن العاصؓ، عبداللہ بن سلامؓ، حذفہ بن یربعؓ، محمد بن مسلمؓ، قیس بن ثابتؓ، زبیر بن عوامؓ، عبداللہ بن سعدؓ، ابودرداءؓ وغیرہ کے اسمائے گرامی اہم ہیں۔ جبکہ حضرت حذفہ بن یربع کتابت قرآن مجید کے لیے ہر وقت حاضر رہتے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی قرآن مجید مکمل لکھ لیا تھا مگر ایک جگہ پر اکٹھا (مدون) نہیں لکھا تھا۔

قرآن مجید لکھنے کی تاکید:

کتابت قرآن کا ثبوت اس حدیث مبارکہ سے بھی ملتا ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمہارے گھر میں موجود مصاحف تمہیں حفظ سے بے نیاز نہ کر دیں۔“ معلوم ہوا کہ قرآن مجید صحابہ کرامؓ کے پاس تحریری شکل میں موجود رہتا تھا۔

ذرائع کتابت:

اس زمانے کے اعتبار سے جو اشیاء میسر تھیں ان پر قرآن مجید لکھا جاتا جیسا کہ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ شانے کی ہڈی یا کسی چیز کا ٹکڑا لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ ﷺ مجھے اس پر قرآن مجید لکھوا دیتے تھے۔

الغرض ابتدا میں قرآن مجید پتھر کی سلوں پر، کھجور کے پتوں پر، اونٹ کے شانے کی ہڈی پر، چمڑے کے ٹکڑوں پر، کپڑے اور کاغذ کے اوراق پر لکھا جاتا ہے۔

ترتیب توقیفی:

موجودہ ترتیب قرآنی کو ترتیب توقیفی کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ ترتیب رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق قائم کی گئی۔ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق قائم کروائی۔ جب کوئی سورت نازل ہوتی تو فرماتے کہ اس کو فلاں سورت سے پہلے یا بعد میں درج کرو اور جب کوئی آیات نازل ہوتیں تو فرماتے کہ ان کو فلاں سورت میں درج کرو

دور نبوی ﷺ میں ”مصحف“ نہ ہونے کی وجہ:

مصحف کے معنی ”مکمل قرآن مجید کو ایک کتاب کی شکل میں ایک جگہ لکھ کر جمع کر دینا“ حضور ﷺ کے دور میں مکمل قرآن ایک باقاعدہ نسخہ یا مصحف کی شکل میں نہ لکھا گیا تھا۔ اس کی بڑی اور بنیادی وجہ یہ تھی کہ ہر لمحہ نئی آیات اور سورتوں کی شکل میں وحی کے نزول کا امکان باقی تھا اس لیے ایک نسخہ کی شکل میں جمع کرنا ناممکن اور بے فائدہ تھا۔ آپ ﷺ کے بعد چونکہ نئی وحی آنے کا امکان بھی باقی نہ رہا اس لیے مشیت الہی کے مطابق اس کلام کی جمع تدوین ایک مستقل نسخہ اور مصحف کی صورت میں عمل میں آئی۔

جمع وتدوین قرآن اور دور صدیقؓ

دور صدیقؓ میں جمع وتدوین کا سبب:

سن 12 ہجری خلافت صدیقؓ میں مسلمانوں کی جنگ میلہ کذاب کے ساتھ ہوئی جس نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا تھا چنانچہ اس کی سرکوبی کے لیے آپؓ نے ایک لشکر بھیجا فتح مسلمانوں کو ہوئی میلہ کذاب اور اس کے ماننے والے بڑی تعداد میں جہنم واصل ہوئے البتہ اس ایک جنگ میں پورے دور نبوی ﷺ سے زیادہ مسلمان شہید ہوئے۔ تقریباً بارہ سو (1200) سے زیادہ صحابہ کرامؓ اور تابعین کرامؓ جام شہادت نوش فرما گئے جن میں سات سو (700) قرآن مجید کے عالم اور ستر (70) قرآن مجید کے حافظ

شامل تھے۔ اگرچہ فتح مسلمانوں کو ہوئی اور چھوٹے مدعی کا فتنہ دفن ہوا تاہم مرکز خلافت میں اس خطرہ کو محسوس کیا گیا کہ کہیں اتنی بڑی تعداد میں قرآن مجید کے علماء اور حفاظ کے چلے جانے سے کہیں قرآن مجید ضائع نہ ہو جائے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی الہامی تجویز:

چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو رائے پیش کی کہ اس نازک صورتحال کا حل یہ ہے کہ قرآن مجید کو ایک جگہ کتاب کی شکل میں جمع کر دیا جائے پہلے تو حضرت صدیق اکبرؓ آمادہ نہ ہوئے مگر جب حضرت عمرؓ نے اپنی رائے پر دلائل دیئے تو راضی ہو گئے اور فرمایا: عمر کی گفتگو نے اس کام کے لیے میرا سینہ کشادہ کر دیا۔ زید بن ثابتؓ بھی اس محفل میں موجود تھے فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے فرمایا ”تم نو جوان ہو اور سمجھدار آدمی ہو ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے کتابت وحی کا کام بھی کرتے رہے ہو لہذا تم قرآن مجید کو جمع کرنے کا کام انجام دو۔“

جمع قرآن میں حضرت زید بن ثابتؓ کا کردار:

حضرت زید بن ثابتؓ کا کردار جمع و تدوین قرآن کے سلسلے میں بہت نمایاں اور اہم ہے۔ آپؓ قرآن مجید کے حافظ کا تب اور فقیہ تھے آپؓ نے دور نبوی ﷺ، دور صدیقیؓ سے لے کر دور عثمانیؓ تک ہر دور میں قرآن مجید کی جمع و تدوین کی ذمہ داری ادا فرمائی۔ دور صدیقیؓ میں جمع و تدوین سے پہلے اعلان عام کر دیا گیا تھا کہ جس شخص کے پاس قرآن مجید جتنا بھی لکھا ہوا ہے وہ زید بن ثابتؓ کے پاس لے آئے۔

حضرت زید بن ثابتؓ کا جمع قرآن میں طریقہ کار:

- (1) سب سے پہلے اپنی یادداشت اور حافظے سے تصدیق اور تحقیق کی۔
- (2) حضرت عمرؓ اور زیدؓ دونوں مشترکہ طور پر لکھا ہوا قرآن مجید کا حصہ وصول کرتے۔
- (3) کوئی آیت اس وقت تک قبول نہ کی جاتی جب تو دو قابل اعتبار گواہ گواہی نہ دے دیتے کہ یہ آیت حضور ﷺ کے سامنے لکھی گئی ہے۔
- (4) اس کے بعد ان لکھی ہوئی آیتوں کا ان مجموعوں کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا تھا جو مختلف صحابہ نے تیار کر رکھے تھے۔

مصحف صدیقیؓ کی خصوصیات:

- زین بن ثابتؓ نے تقریباً ایک سال میں کمال احتیاط سے آیات قرآنی کو جمع کر کے انہیں کاغذ کے صحیفوں پر ترتیب شدہ شکل میں تحریر کر دیا یہ کام اتنا محنت طلب تھا کہ آپؓ نے فرمایا کہ اگر مجھے اس کے مقابلے میں پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کو کہا جاتا تو شاید وہ اس سے آسان ہوتا۔
- بہر کیف! حضرت زیدؓ کے لکھے ہوئے اس صحیفہ کو مصحف کا نام دیا گیا اس لیے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا اس کی چند اہم خصوصیات تھیں۔
- (1) اس نسخہ میں آیات قرآنی حضور ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق تھیں جبکہ ہر سورت علیحدہ علیحدہ صحیفے میں لکھی ہوئی تھی۔
 - (2) اس نسخہ میں قرآن مجید کے ساتوں حروف جمع تھے۔
 - (3) اس میں وہ تمام آیات جمع کی گئی تھیں جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔
 - (4) اس نسخہ کو لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتبہ نسخہ تمام امت کی اجماعی تصدیق کے ساتھ تیار ہو جائے، تاکہ ضرورت پڑنے پر اس کی طرف رجوع کیا جاسکے۔

مصحف صدیقیؓ کن کن کے پاس رہا؟

یہ صحیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات تک ان کے پاس رہا۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ کے پاس رہا، ان کی شہادت کے بعد ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس منتقل کر دیا گیا اور پھر حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں ام المومنین سے منگوا کر جمع و تدوین کی مزید خدمت سرانجام دی۔

جمع و تدوین قرآن اور عہد عثمانیؓ

دور عثمانیؓ میں جمع و تدوین کے اسباب:

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اسلام عرب سے نکل کر روم اور ایران کے دور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا۔ اور عرب و عجم کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا عرب صحابہ کرامؓ اور ان کے شاگرد تو قرآن مجید کو مختلف قراءتوں میں پڑھنا جانتے تھے لیکن نئے مسلمان ہونے والے بہت سے عجمی مسلمان اس طریقہ کار سے واقف نہ تھے تو ان

میں قرآن مجید کی تلاوت اور اس کو سات قراءتوں اور الفاظ میں پڑھنے کے حوالے سے اختلاف پیدا ہو گیا۔ یہ جھگڑے سنگین صورت حال اختیار کر سکتے تھے۔ لہذا ان جھگڑوں کا خاتمہ ضروری تھا۔ نیز یہ کہ پورے عالم اسلام میں حضرت ابو بکرؓ کے تیار کروائے ہوئے نسخہ کے علاوہ کوئی اور نسخہ موجود نہ تھا جو پوری امت کے لیے معیار بن سکتا کیونکہ دوسرے نسخے انفرادی طور پر لکھے گئے تھے۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی رائے:

حذیفہ بن یمانؓ نے حضرت عثمانؓ کو اس صورتحال سے آگاہ کیا اور عرض کیا کہ قبل اس کے کہ یہ امت اللہ کی کتاب کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلافات کی شکار ہو آپ اس کا علاج کیجئے؟ حضرت عثمانؓ نے وجہ پوچھی تو عرض کیا: میں آرمینیا کے محاذ پر جہاد میں شامل تھا وہاں میں نے دیکھا کہ شام کے لوگ ابی بن کعب کی قراءت پڑھتے ہیں جو اہل عراق نے نہیں سنی تھیں اور اہل عراق عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت پڑھتے ہیں جو اہل شام نے نہیں سنی ہوتی اس نتیجے میں ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔

عثمانؓ کا صحابہ سے مشورہ:

اس اطلاع کے بعد حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا تو انہوں نے کہا کہ آپؓ کی کیا رائے ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں تاکہ اختلاف پیش نہ آئے صحابہؓ نے اس رائے کو پسند کیا۔

جمع قرآن کے لیے چار رکنی ٹیم کی تشکیل:

آپؓ نے اس مقصد کے لیے حضرت حفصہؓ سے ”ام“ (دور صدیقی میں تیار شدہ مصحف) کا نسخہ منگوا لیا اور صحابہ کرامؓ کی چار رکنی ٹیم تشکیل دی۔ جو زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن عاصؓ اور عبدالرحمن بن حارثؓ پر مشتمل تھی۔ اس کمیٹی کی ذمہ داری یہ تھی ایسے مصاحف تیار کریں جن میں سورتیں بھی ترتیب شدہ ہوں اور الفاظ لکھنے میں قراءت قریش کا خیال رکھا جائے کیونکہ قرآن مجید انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے پھر کچھ دیگر صحابہؓ بھی اس کام میں ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔

بنیادی کام:

(1) دور صدیقیؓ میں جمع کیے جانے والے صحیفے میں سورتیں ترتیب شدہ نہیں تھیں، بلکہ ہر صورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی ان حضرات نے تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا۔

(2) اس دور میں قرآن مجید کے رسم الخط میں اس بات کا خیال رکھا گیا کہ اس میں تمام متواتر قراءتیں شامل ہیں۔

مصاحف کی ترسیل:

عثمانؓ غنیؓ نے قرآن کے ان تیار شدہ مصاحف کو مملکت کے ہر علاقے میں بھجوا دیا اور حکم دیا کہ ان مصاحف کے سوا جو قرآن لکھا ہوا ہے اسے حکومت کے حوالے کر دیا جائے تاکہ پوری امت صرف ایک قرآن پراکٹھی ہو سکے۔

جامع القرآن کا لقب:

عثمانؓ غنیؓ نے امت کو بڑے اختلاف سے نجات دلانی اور قرآن حکیم اپنی اصل حالت میں قیامت تک کے لیے محفوظ ہو گیا۔ آپؓ کی اس عظیم کاوش پر آپؓ جامع القرآن کا لقب دیا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوال: حدیث کی دینی حیثیت پر نوٹ لکھیں۔

حدیث کا لغوی معنی:

لفظ حدیث کا لغوی معنی ہے بات، کلام، گفتگو۔

اصطلاحی معنی:

شرعی اعتبار سے حضور ﷺ کے اقوال، آپ ﷺ کے افعال اور احوال کو حدیث کہا جاتا ہے۔

اسی طرح جو کام آپ ﷺ نے ہوتے دیکھا یا سنا مگر آپ ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی اسے بھی حدیث کہا جاتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی خاموشی اس کام کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔ ایسی حدیث کے لیے ”تقریر“ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے (کیونکہ آپ ﷺ کی خاموشی سے وہ بات ثابت اور مقرر ہوگئی) حدیث و سنت میں فرق:

بعض علماء کے نزدیک حدیث اور سنت دونوں الفاظ مترادف ہیں جبکہ کئی علماء اس طرف گئے ہیں کہ حدیث آپ ﷺ کے ”اقوال“ پر جبکہ سنت آپ ﷺ کے ایسے ”افعال“ پر بولا جاتا ہے جو امت کے لیے قابل عمل ہوں۔ اور امت ان پر سنت کی حیثیت سے عمل کر سکتی ہو کیونکہ اگر وہ عمل حضور ﷺ کی خصوصیت میں داخل ہو (مثلاً ایک وقت میں چار سے زیادہ نکاح کرنا) تو اس پر سنت کا لفظ استعمال نہ ہوگا۔

حدیث کی اقسام:

- حدیث کی بنیادی طور پر تین اقسام ہیں۔
- (1) حدیث قولی: یعنی جو بات آپ ﷺ نے فرمائی ہو۔
- (2) حدیث فعلی: یعنی جو کام آپ ﷺ نے کر کے دکھایا ہو۔
- (3) حدیث تقریری: یعنی جو کام آپ ﷺ نے ہوتے دیکھا یا سنا مگر آپ ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی۔

حدیث کی دینی حیثیت

حدیث شریف کا دین میں کیا درجہ ہے؟ اس کو ذہن نشین کرنے کیلئے محمد ﷺ کی حسب ذیل حیثیات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جن کو قرآن نے نہایت صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

اسوہ حسنہ:

آپ ﷺ کی ذات اقدس ہر مومن کے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا

”بے شک تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے“ (سورۃ الاحزاب)

اتباع:

آپ کی اتباع سب پر فرض ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا

”اللہ اور اس کے نبی اُمّی پر ایمان لاؤ جو اللہ اور اس کے سب کلاموں پر یقین رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو“ (سورۃ الاعراف)

منع کریں تو باز رہنا:

جو کچھ آپ دیں اس کو لینا اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہنا ضروری ہے۔ ارشاد بانی ہے۔

”اور رسول تم کو جو دے لے لو اور جس سے تم کو منع کرے اسے چھوڑ دو“ (سورۃ الحشر)

اطاعت:

آپ کی اطاعت سب مسلمانوں پر فرض ہے۔ قرآن میں ہے

”اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو“ (سورۃ محمد)

ذریعہ ہدایت:

ہدایت آپ کی اطاعت سے وابستہ ہے۔ ارشاد بانی ہے

”اور اگر اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے“ (سورۃ النور)

محبت الہی:

اللہ کی محبت نبی ﷺ کی اتباع سے مشروط ہے۔ ارشاد فرمایا ”اگر تم اللہ کی محبت چاہتے ہو تو میری اتباع کرو“ (سورۃ آل عمران)

رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت:

ﷺ نے جس قدر ہدایات امت کو دیں، جو چیزیں ان سے بیان فرمائیں اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے ذیل میں جو کچھ ارشاد فرمایا، جن چیزوں کو حلال اور حرام ٹھہرایا، باہمی معاملات و قضایا میں جو کچھ فیصلہ فرمایا، ان سب کی حیثیت دینی اور شرعی ہے۔ آپ کی اطاعت ہر امتی پر فرض ہے۔ جو حکم آپ دیں اس کو بجالانا اور جس سے منع فرمائیں اس سے رک جانا ہر مومن کیلئے لازم ہے۔ مختصر یہ کہ آپ کی اطاعت ہی حقیقت میں اللہ کی اطاعت ہے۔ چنانچہ قرآن میں تصریح ہے۔

من يطع الرسول فقد اطاع الله (سورة النساء) جس نے اللہ کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی۔

قرآن کی تفسیر:

جس طرح اللہ کی بات ماننا فرض ہے اسی طرح ﷺ کی ماننا بھی لازمی اور حتمی ہے۔ ظاہر ہے کہ جملہ احکام دین کے متعلق کلی احکام قرآن مجید میں موجود ہیں لیکن ان احکام کی تشریح، ان کی جزئیات کی تفصیل اور ان کی عملی تشکیل رسول کریم ﷺ کے اقوال و اعمال اور آپ کے احوال جانے بغیر ناممکن اور محال ہے۔ نبی کریم ﷺ پر پیغام الہی کو نازل کرنے کی حکمت درج ذیل آیت میں ملاحظہ ہو۔

انا انزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم (سورة النحل)

ہم نے آپ کی طرف نصیحت نازل کی تاکہ آپ اس چیز کی وضاحت کر دیں جو ان کی طرف نازل کی گئی

☆☆☆☆☆☆

حدیث مبارک کی حفاظت اور جمع و تدوین پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

تینوں ادوار کی روشنی میں حدیث مبارک کی حفاظت اور جمع و تدوین پر نوٹ لکھیں۔

حدیث کا لغوی معنی:

”لفظ حدیث“ لفظ قدیم کی ضد ہے یعنی فانی چیز، اور اسی طرح حدیث ”خبر، بات کلام، گفتگو، بیان وغیرہ کے معنی بھی استعمال ہوتا ہے۔“

اصطلاحی معنی:

شرعی اعتبار سے حضور ﷺ کے اقوال، آپ ﷺ کے افعال اور احوال کو حدیث کہا جاتا ہے۔

حفاظت حدیث:

قرآن مجید دین کی تمام بنیادی تعلیمات پر مشتمل ہے اور جملہ عقائد و احکام کے متعلق ”کلی ہدایات“ کا حامل ہے اس کا ہر لفظ لوگوں نے زبانی یاد کیا۔ مزید احتیاط کے لیے معتبر کتابوں سے خود حضور ﷺ نے اس کو لکھوایا۔ حدیث مبارک جو قرآن مجید کی تشریح و تفسیر اور عملی تشکیل ہے اور شرع اسلام کی تمام اعتقادی اور عملی تفصیلات پر حاوی ہے اس کی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ نے کی۔

حفاظت حدیث کے ذرائع:

حفاظت قرآن مجید کی طرح حدیث کی حفاظت کے بھی وہی تین ذرائع بروئے کار لائے گئے۔ یعنی حفظ، کتابت اور عمل۔ صحابہ کرامؓ نے اپنی قومی عادات کے مطابق خطبوں، قصیدوں اور مقولوں کی بجائے حدیث مبارک کو حفظ کیا۔ لکھ کر محفوظ کیا اور عملی حصے کے مطابق فوراً عمل کرنا بھی شروع کر دیا۔

جمع و تدوین حدیث کا آغاز:

تدوین حدیث کا آغاز عہد رسالت ہی میں ہو گیا تھا نہ کہ دوسری صدی ہجری میں جیسا کہ مستشرقین کہتے ہیں۔ اسلام کے ابتدائی حصے میں احادیث نبویہ پر مشتمل جو صحیفے لکھے گئے ہمارے پاس ان کے تاریخی ثبوت موجود ہیں مجموعی طور پر جمع و تدوین حدیث کے تین ادوار بنتے ہیں (دور اول) یعنی دور نبوی ﷺ اور دور صحابہ کرامؓ۔ پہلی صدی ہجری کے آخر تک (دور ثانی) یعنی دور تابعین کرامؓ دوسری صدی ہجری کے آخر تک (دور ثالث) یعنی تیسری صدی ہجری کا زمانہ۔

دور اول: عہد نبوی ﷺ و صحابہ

خدمت حدیث سرانجام دینے والے کے لیے دعا:

”اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جس نے میری حدیث کو سنا پھر اس کو یاد کیا پھر اسی طرح آگے پہنچایا جس طرح کہ سنا تھا“ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

فتح مکہ کا موقع اور کتابت حدیث:

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا جس میں انسانی حقوق وغیرہ کے احکام تھے یمن کے سردار ابوشاہ نے عرض کیا کہ ”یہ مجھے لکھواد دیجئے! آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ“ (علم قید یعنی محفوظ کرنے کا طریقہ) لکھ لینا ہے۔

حضرت عبداللہ بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جو احادیث سنتا وہ لکھ لیا کرتا تھا بعض لوگوں نے مجھے منع کیا اور کہا کہ حضور ﷺ کبھی حالت نشاط میں ہوتے ہیں اور کبھی حالت غضب میں اس لیے ہر بات لکھ لینا مناسب نہیں ابن عمرؓ فرماتے ہیں: ”میں نے اس کا ذکر حضور ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اس سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی۔“ (سنن ابی داؤد)

صحیفہ علی المرتضیٰؓ:

علیؓ کے پاس بھی حضور ﷺ کی احادیث کا ایک مجموعہ تحریری شکل میں موجود تھا جسے وہ اپنے خطبات اور مجلسوں میں سامنے رکھ کر اس کے مضامین سنایا کرتے تھے صحیح بخاری میں اس کا ذکر چھ جگہ آیا ہے آپؐ اس صحیفہ کو اپنی تلوار کے نیام میں رکھتے تھے۔

تبلیغی خطوط:

سن 6 ہجری کے آخر میں صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ نے مختلف ممالک اور قبائل کے سربراہوں کے نام تبلیغی خطوط روانہ کیے روم، فارس، مصر اور حبشہ کے بادشاہوں کے نام بھی خطوط بھیجے، ہر قل قیصر روم کے نام خط کا پورا متن صحیح بخاری کے بالکل شروع کے باب میں مذکور ہے۔ طبقات ابن سعد (حدیث کی کتاب) میں ایسے ایک سو پانچ (105) خطوط کا پورا متن مذکور ہے۔

سرکاری وثیقے:

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں بارہ لاکھ مربع میل کا علاقہ آپ کے زیر حکومت آچکا تھا اس کے انتظامات کے لیے آپ کو کس قدر تحریری کام کرانا پڑا اس کا اندازہ چند مثالوں سے ہوتا ہے:

(1) جنگی ہدایت نامے لکھوائے گئے (2) امان نامے تحریر کروا کے لوگوں کو دیئے گئے، مثلاً سراقہ بن مالک کا امان نامہ (3) جاگیر ناموں کی دستاویز لکھوا کر دی گئیں۔ مثلاً زبیر بن عوامؓ اور وائل بن حجرؓ کے جاگیر نامے (4) تحریری معاہدے، مثلاً مدینہ کے گرد رہنے والے قبائل سے معاہدہ بیثاق مدینہ صلح حدیبیہ وغیرہ۔

صحیفہ ابو ہریرہؓ:

اس سلسلہ میں سب سے بڑی اہمیت صحیفہ ابی ہریرہؓ کی ہے جو ابو ہریرہؓ سے ان کے عزیز شاگرد ہمام بن منبہؓ نے روایت کیا ہے۔ اس کی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ یہ صحیفہ بہ تمام و کمال اسی طرح ہم تک پہنچ گیا ہے جس طرح ہمام نے اسے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا اور پھر اس کو مرتب کیا تھا اس میں تقریباً ڈیڑھ سو حدیثیں تھیں۔

صحیفہ ابو ہریرہؓ (صحیفہ ہمام بن منبہؓ) کا تاریخی ثبوت:

یہ صحیفہ صدیوں سے نایاب تھا مگر سن 1373 ہجری مطابق سن 1945ء عیسوی میں اس کے صدیوں پرانے دو قلمی نسخے دستیاب ہو گئے ایک نسخہ برلن جرمنی اور ایک دمشق کے کتب خانے میں جن میں کوئی بھی فرق نہ تھا ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اسے بڑی تحقیق کے ساتھ شائع کرایا ہے۔

جبکہ یہ صحیفہ ”مسند احمد“ میں مکمل طور پر محفوظ ہے نیز اس کی بیشتر احادیث صحیح بخاری کے متعلقہ ابواب میں موجود ہیں۔

صحیفہ جابرؓ:

آپؐ نے ”حج“ سے متعلق احادیث پر مشتمل ایک صحیفہ تالیف کیا تھا۔

دور ثانی: پہلی صدی ہجری کے آخر میں تدوین حدیث

بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ پہلی صدی ہجری میں تدوین حدیث کا آغاز ہو چکا تھا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عام طور پر اہل عرب جو ہر چیز کو زبانی یاد رکھنے کے عادی تھے انہیں لکھنا بڑا گراں گزرتا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور جمع تدوین حدیث:

ابھی صدی ختم نہ ہونے پائی تھی اور صحابہؓ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے کہ سن 99 ہجری میں جب خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے دیکھا کہ متبرک صحابہؓ سے دنیا خالی ہو رہی ہے تو آپؐ کو اندیشہ ہوا کہ ان حفاظ اہل علم کے اٹھنے سے کہیں علوم حدیث بھی نہ اٹھ جائیں۔ چنانچہ آپؐ نے فوراً تمام ممالک کے علما کے نام فرمان بھیجا کہ احادیث نبویؐ کو تلاش کر کے جمع کر لیا جائے چنانچہ تمام اسلامی ممالک سے احادیث کے مجموعے تیار ہو کر کردار الخلافہ ”دمشق“ آئے اور آپؐ نے یہاں ان کی نقلیں تیار کر کے اسلامی خلافت کے گوشہ گوشہ میں بھیجیں۔

پہلی صدی ہجری کا اواخر اور جمع حدیث:

پہلی صدی ہجری کے آخر میں حدیث کو مندرجہ ذیل کتابیں وجود میں آچکی تھیں۔

01۔ امام محمد بن شہاب زہریؒ کی حدیث کی کتابیں: حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کتابوں کی نقلیں کروا کر تمام صوبوں میں بھجوائیں۔

02۔ امام کھولؒ کی کتابیں امام کھولؒ کی دو اہم کتابیں تھیں: کتاب السنن فی الفقہ اور کتاب المسائل فی الفقہ۔

03۔ ابواب الشعبی: یہ امام شعبیؒ کی کتاب ہے جو ابواب کی صورت میں لکھی گئی پہلی حدیث کتاب ہے۔

دور ثانی: دوسری ہجری میں تدوین حدیث

دوسری صدی ہجری میں اس سلسلے کو اتنی ترقی ہوئی کہ احادیث نبویؐ کو ایک طرف صحابہ کرام اور اہل بیتؑ کے آثار و اقوال اور تابعین کرامؒ کے فتاویٰ تک ایک ایک کر کے اس عہد کی کتابوں میں محفوظ اور مدون کر لیے گئے۔ دوسری صدی ہجری کی مشہور تالیفات درج ذیل ہیں۔

01۔ امام ابو حنیفہؒ کی کتاب الآثار:

یہ امام ابو حنیفہؒ کی تالیف ہے۔ ”مسند امام ابو حنیفہ“ کے نام سے جو کتابیں معروف ہیں وہ امام ابو حنیفہؒ کی روایت کردہ احادیث ہیں جن کو بعد کے علماء نے مرتب کیا۔

02۔ موطا امام مالکؒ:

امام مالکؒ نے اس کتاب کو تالیف کیا امام شافعیؒ اس کتاب کو قرآن مجید کے بعد سب سے ”صحیح اور مستند“ کتاب قرار دیتے ہیں

03۔ جامع سفیان ثوریؒ:

امام سفیان ثوریؒ کی تالیف کردہ حدیث کی کتاب ہے۔ سفیان ثوریؒ کو بڑے بڑے آئمہ نے ”امیر المؤمنین فی الحدیث“، ”علم حدیث کے امیر المؤمنین کا لقب دیا۔

04۔ امام محمدؒ کی کتاب الآثار:

فقہی ابواب کی ترتیب پر مشتمل حدیث کی یہ کتاب امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے شاگرد حضرت امام محمدؒ کی تالیف ہے۔

(دور ثالث) تیسری صدی ہجری میں تدوین حدیث

محدثین نے طلب حدیث میں دنیائے اسلام کا گوشہ گوشہ چھان مارا اور

☆ تمام طرح کی منتشر روایتیں یکجا کیں۔

☆ جن میں مسند حدیثیں علیحدہ کی گئیں۔

☆ صحت سند کا مکمل خیال رکھا گیا (سند حدیث سے مراد حدیث کے آغاز میں راویوں کے ناموں کا وہ سلسلہ جو حضور ﷺ تک جا پہنچتا ہے)

☆ فن اسماء الرجال کی تدوین ہوئی (اس سے مراد علم حدیث کا وہ فن ہے جس میں حدیث کے راویوں کے حالات محفوظ کئے جاتے ہیں اور ان کا علم حاصل کیا جاتا ہے)

☆ جرح و تعدیل کا مستقل فن بن گیا (اس سے مراد حدیث کے راوی کے ثقہ (یعنی معتبر) اور غیر ثقہ (یعنی غیر معتبر) ہونے کے بارے میں دلائل سے بحث کی جاتی ہے)

☆ علم حدیث کو مختلف فنون پر تقسیم کر کے ہر فن میں عظیم الشان کتابیں تحریر کی گئی۔

☆ اس صدی کے نصف آخر میں صحاح ستہ جیسی بیش بہا کتابیں تصنیف ہوئیں۔

☆ حدیث کی چھ صحیح ترین کتب احادیث کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔ صحاح ستہ کے نام اور ان کے مؤلفین کے نام مع سن وفات ذیل میں درج ہیں۔

صحاح ستہ کے نام مع مؤلفین

نام کتاب	معروف نام مؤلف	نام مؤلف	سن وفات
1۔ صحیح بخاری	امام بخاری	ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیلؒ	256 ہجری
2۔ صحیح مسلم	امام مسلم	مسلم بن حجاج قشیریؒ	261 ہجری
3۔ جامع ترمذی	امام ترمذی	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰؒ	279 ہجری
4۔ سنن نسائی	امام نسائی	ابو عبد الرحمن احمد بن علیؒ	303 ہجری
5۔ سنن ابوداؤد	امام ابوداؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ	275 ہجری
6۔ سنن ابن ماجہ	امام ابن ماجہ	ابو عبد اللہ محمد بن یزیدؒ	273 ہجری

فقہ جعفریہ (اہل تشیع) کی مستند ترین کتب احادیث کو اصول اربعہ کہا جاتا ہے۔ جن کے نام اور مؤلفین کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

اصول اربعہ کے نام مع مؤلفین

نام کتاب	نام مؤلف	سن وفات
1۔ الکافی	محمد بن یعقوب	339 ہجری
2۔ الاستبصار	محمد بن حسن	460 ہجری
3۔ تہذیب الاحکام	محمد بن حسن	460 ہجری
4۔ مَنْ لَا يَحْضُرُهُ الْفَقِيْه	محمد علی بن بابویہ	381 ہجری